هو الباقی

وجادلهم بالتی هی احسن

رساله

تائید الاسلام

(بجواب)

ترک اسلام

مصنفہ جناب مولوی محمد فائق صاحب ساکن ہنسوا ضلع فتحپور شاگرد جناب مفتی مولوی محمد لطف اللہ صاحب مفتی عدالت عالیہ حیدرآباد دکن

باہتمام خاکسار سعید احمد

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ہوا

بسنہ ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا الخطاب الیٰ ارباب الالباب

ہمارا یہ خطاب خاص تارک الاسلام یعنی مؤلف ترک الاسلام سے ہے کہ آپ نے جو اپنے رسالہ ترک الاسلام میں چند شبہات بے اصل قرآن پاک پر کئے ہیں اور اسپر بطور طعن اور تعریض کے یہ لکھا ہے کہ قرآن کی یہ تعلیمیں ہیں جو خلاف عقل ہے تو آپ کے یہ تمام شبہات اور انپر یہ تعریضیں حقیقۃً قرآن پاک پر نہیں بلکہ آپ نے جو قرآن کے لفظوں یا اسکے اردو فارسی ترجموں سے بغیر جانے بوجھے مصطلحات فن اور بے سوچے سمجھے اس کی مقتضیات اور شان نزول کے اپنی طبیعت سے خلاف مقصود جو ایک معنی اور مفہوم پیدا کئے ہیں تو آپ کی اس طبعزاد مفہوم پر یہ سارے شبہات اور تعریضیں

ہیں اگر اُنکے شان نزول اور مقتضائے حال کو جانکر اُسکے مناسب ما قبل
اور ما بعد کے قرائن پر نظر ڈالتے اور جو قرینہ جس معنی کو اُس جگہ مقتضی ہوتا
اُس معنی کو مقصود بالتکلم سمجھتے تو یہ خرابیاں پیدا نہوتیں جن کی وجہ سے آپ
بدعقیدہ ہوکر دوسری طرف بہک گئے پس بنظر اصلاح اور حمیت اسلامی
مناسب تو یہ تہا کہ ہم اول سے آخر تک جتنے آپ کے شبہات ہیں اُن سبکا
جواب دیکر جو قرآن پاک کی طرف سے آپ کو بدگمانی پیدا ہوئی ہے اسکو دور
کرتے مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہمارا یہ بیان اصول عربیہ پر موقوف ہے جسکو
آپ سمجھتے نہیں اس صورت میں ہمارا جواب دینا اور ندینا دونوں برابر اور
علاوہ اسکے ہمارے اور بہائیوں نے آپ کے کل شبہات کے متعدد
جواب باصواب چھپوا کر مشتہر کرا چکے ہیں اب ہمکو اُن سب کے جواب دینے
کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے اور نہ بطور مناظرہ اور مکابرہ کے ہم جواب دینا
چاہتے ہیں البتہ بنظر خیر خواہی اور اظہار حقیقت اور دعوت الی الاسلام کے
ہمنے اپنے اس رسالہ میں صرف آپ کی ایک آیت کے شبہہ کا جواب دینا
مناسب سمجھا ہے اُس میں اول اُس آیت کے سمجھنے میں جو آپ کو غلطی
ہوئی ہے اسکو ظاہر کیا گیا ہے اُسکے بعد جو اُسکا اصلی مطلب ہے وہ
بیان کیا گیا ہے پہر اُس کلام کی کچھ خوبیاں بیان کرکے دین اور دنیا کی
مصلحتوں کے متعلق جو جو اُس سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اُن کو

جتلایا گیا ہے پھر اس امر کی تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم جو آپ سمجھ رہے ہیں وہ قرآن پاک کی تعلیم نہیں بلکہ قرآن پاک کے ایک ایک لفظ سے دین اور دنیا کی مصلحتیں جو ہم نے نکال کر بیان کی ہیں حقیقۃً وہ قرآن پاک کی تعلیمیں ہیں اور یہ تفصیلی جواب اگرچہ ایک ہی شبہہ کا جواب ہے لیکن اسکے ضمن میں اجمالاً جتنے آپ کے شبہات ہیں اشارۃً کنایۃً قریب قریب سبھی کے جواب نکل سکتے ہیں پس جو لوگ صاحب قوۃ آخذہ ہیں وہ ہر ایک کے ماخذ سے اس اجمال کو تفصیل میں لاکر جتنے شبہات ہیں اُن سب کو اپنے اپنے دلوں سے مٹا سکتے ہیں اور جنکو قوت آخذہ حاصل نہیں اور وہ منصف مزاج ہیں وہ اسی ایک جواب کو مقیس علیہ سمجھکر باقی جتنے شبہات ہیں اُن سب کے جوابوں کو اسی ایک پر قیاس کر کی جو جو شبہات ہیں اُن سب کو اپنے اپنے دلوں سے کھو سکتے ہیں اور چونکہ ہمارے مخاطب یعنی صاحب ترک الاسلام منصف مزاج اور طالب حق معلوم ہوتے ہیں اسلئے ہماری اون سے یہ درخواست ہے کہ بنظر انصاف اسکو اول سے آخر تک دیکھ کر اگر اُنکی عقل سلیم اسکی حقیت پر شہادت دے تو جتنے اُنکے شبہات ہیں اُن سب کو اپنی غلط فہمی کا ذخیرہ سمجھکر اُن سب کو اپنے دل سے دور فرمائیں اور اپنی ناکردنی سے تائب ہو کر الوہیت اور رسالت کی تصدیق کے ساتھ پھر اپنے اصلی مرکز

کی طرف رجوع کریں بلکہ تنہا سفرؔ اچھا نہیں اگر اپنی معیت میں اوروں کو بھی
اپنے ساتھ لائیں تو بہت بہتر ہوگا

ہ

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ	از کافر و گبر بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ
و ما علینا الا البلاغ	والسلام علی من اتبع الھدیٰ

الداعی الی الخیر سید محمد فائق مؤلف رسالہ تائید الاسلام
فی جواب ترک الاسلام

سلہ دارالکفر سے دارالاسلام کو۔ منہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد حمد و نعت کے یہ عاصی پر معاصی کمترین خلایق

سیّد محمد فایق

ساکن قصبہ ہوہ ضلع فتحپور اپنے برادران اہل اسلام کیخدمت میں یہ التماس کرتا ہے
کہ ایک شخص خارج الاسلام جوکہ ارتداد کے مبدء سے متّصف ہے اُسنے اپنی جہالت
اور نادانی سے وہی دو سروں کے سوال کردہ جواب یافتہ سے قران پاک پر چند خیال
فاسد ظاہر کئے ہیں جو اُسکی بے علمی اور کج فہمی کی شہادت دے رہے ہیں اور اُسنے

مَکَّرَ مَکَّرَ ا مَکَّرُوا

کا جال پھیلا کر عوام الناس اور جاہلوں کو ارتداد کے پھندے میں لاکر اُنکو جہنم رسید
کیا چاہتا ہے اُسنے اپنی یہ نادانی ظاہر کی ہے کہ کلام شریف میں جو

وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰہُ

اور یہود نے عیسٰی سے داو کیا اور اللہ نے اُنسے داؤ کیا

وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ

اور داو کرنے والوں میں سے اللہ سب سے بہتر داؤ کرنیوالا ہے

ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مثل لوگوں کے نعوذ باللہ مسلمانوں کا خدا بھی مکار

ہے اور مکر اور فریب ایسی چیز ہے کہ عوام کی طرف بھی اسکی نسبت کرنا معیوب خیال
کیا جاتا ہے چہ جائیکہ خدا کو مکار کہا جاوے اور ایسے لفظوں سے خدا کو تعبیر کرنا
یہ اس **قرآن** کی تعلیم ہے جو **خلاف عقل** ہے

پہر مفسرین نے جو سزا کی تقدیر کرکے اسکو مکر کی طرف مضاف کیا ہے تو اس اضافت
سے مکر کو وہ سزا کے معنی میں سمجہہ جاتا ہے یہ شخص اردو تو سمجہتا ہی نہیں بہلا اسکو کوئی **عربی**
اور **قرآن** کیا سمجہاوے **میاں** سنو پہلے ہم تمکو ایک **قاعدہ** اور **اصل اصول** بتلاتے
ہیں کہ ہر زبان میں بقرینہ حال یا بقرینہ مقال جو محل جس معنی کو مقتضی ہوتا ہے باعتبار
حقیقت یا مجاز صریح یا کنایہ یا استعارہ یا تشبیہ یا تقدیر یا تحذیف جو صورت پیش آوے
اسکو ممتاز کرکے وہی معنی اس جگہ لئے جاتے ہیں مثلاً کوئی شخص
کسی سے کہے

(ہمنے تمہارے ساتہہ کیا کیا)

(اور تمنے ہمارے ساتہہ کیا کیا)

تو ان دونوں جملوں میں لفظ (کیا) جو بصیغہ استفہام مفعول بہ واقع ہے بقرینہ حال پہلے
سے **سلوک** مراد ہے اور دوسرے سے **بدسلوکی** مقصود ہے حالانکہ سلوکی اور بدسلوکی
لفظوں میں نہیں دلالت عقلی ان باتونکو اخذ کر رہی ہے اسی طرح

--(دیئے کی روشنی محشر تلک ہے)--

اس میں (دیئے) کے معنی مشترک **بخشش** اور **چراغ** کے ہیں۔ **روشنی کا قرینہ**

چراغ کو مقتضی ہے اور محشر کا قرینہ بخشش کو چاہتا ہے مگر قرب و بعد مسافت نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں دیئے کے معنی بخشش کے ہیں اسی طرح کوئی شخص اپنے غلام کو مار ڈالے اور دیکھنے والا کہے کہ

(جیسا کیا ویسا ہی پایا)

تو اس مثال میں غلام نے کیا کیا (جرم) اور اس جرم کے سبب سے اُس غلام نے اپنے آقا سے کیا پایا (وہی جرم) نہیں بلکہ بحذف مضاف (اُس جرم کی سزا) پائی پس جسطرح اس مثال میں جرم کا مضاف محذوف اور منوی ہے اسیطرح کلام شریف میں جو

مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ

ہے اُس میں بھی دوسرے مکر میں لفظ سزا کا جو مضاف ہے وہ محذوف اور منوی ہے جسکے یہ معنی ہوئے (اُن لوگوں نے مکر کیا) ۔ (اور اللہ تعالیٰ نے اُنکو اس مکر کی سزا دی)

یہ تقریر تو وہ ہوئی جو ہماری بھائیوں نے تقدیر مضاف کی کر کے مکر کو سزائے مکر کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے اس تفسیر سے معترض کو یہ مغالطہ ہوا کہ مفسرین مکر کے مفہوم میں سزا کو ماخوذ کر کے مکر کے معنی سزائے مکر کے لے رہے ہیں حالانکہ یہ اُس کی غلط فہمی ہے کہ متکلم کی غرض کو تو سمجھا نہیں اور اپنے غلط سمجھے ہوئے پر اعتراض کرنیکو مایۂ فخر سمجھے

(اسی سوال کا دوسرا جواب یہ ہے)

کہ یہ اصول موضوعہ میں سے ہے کہ جب کسی مشتق پر کوئی حکم کرتے ہیں تو اُسکے حمل کی علت مبادئِ اشتقاق ہوا کرتا ہے مثلاً

— (قاتل را بدار کشیدند) —

یعنی سزائے قتل وا وند پس جسطرح اس مثال میں قاتل کا قتل جو کہ مبدء اشتقاق ہے یہ
علت سزائے قتل کا ہوا اسیطرح اس آیت شریف میں مکاروں کا مکر جو کہ مبدء اشتقاق ہے
یہ علت سزائے مکر کی ہوئی اسوجہ سے اس جگہ تقدیر سزا کی لازم آئی

-----: (اسی سوال کا تیسرا جواب یہ ہے) : ---- ----

کہ علم اصول کا یہ مسئلہ ہے کہ جن دو چیزوں میں علاقہ علیت اور معلولیہ کا ہوتا ہے وہاں استعارہ طرفین سے
جائز ہوتا ہے یعنی علت بولیں اور اس سے اسکا معلول مراد لیں۔ یا معلول بولیں اور اس سے
اسکی علت مراد لیں تو یہ دونوں صورتیں صحیح اور درست ہیں مثلاً ہماری محاورے میں ان باتکی بول جاتے ہیں
کہ (دن نکل آیا)

اور مراد یہ ہے کہ آفتاب نکل آیا چونکہ آفتاب کا نکلنا دن کے نکلنے کے لئے علت
تھی اس مناسبت سے معلول بولے اور اس سے اسکی علت مراد لی۔ اسیطرح یوں بھی لا کرتے ہیں
(کہ آفتاب سر پر آگیا)

اور مراد یہ ہوتی ہے کہ دوپہر ہوگیا چونکہ آفتاب کا سر پر آنا علت ہے اور دوپہر کا ہونا
اسکا معلول ہے اس مناسبت سے علت بولی اور اس سے اسکا معلول مراد لیا
پس اسیطرح اس آیت شریف میں مکاروں کا مکر یہ ایک جرم ہے اور ہر جرم مستلزم سزا کو ہوتا ہے پس مکاروں کا مکر جو
ایک قسم کا جرم ہے یہ تو علت سزا کی ہے اور اس جرم کی سزا اسکا معلول ہے اس مناسبت سے مکر اللہ میں مکر
بولا جو کہ علت ہے اور اس سے اسکا معلول یعنی سزا مراد لیگئی اور چونکہ سزا دینا یہ حاکم کا کام تھا اور حاکم حقیقی اور منتقم
تحقیقی خدا ہے اسلئے اس معلول یعنی مکر بمعنی سزا کو خدا کی طرف منسوب کر دیا

علم اصول میں اسکو استعارہ فی الطرفین کہتے ہیں

اسی سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ فن لغت میں مکر کے معنی خفیہ تدبیروں سے دوسرے کو مغلوب کرنا جسکو ہماری اردو میں داؤں گھات کہتے ہیں جب رسول مقبول صلعم نے دعوے نبوت کا کرکے احکام الہی کی تنفیذ اور اُنکی اشاعت چاہی تو اُس زمانہ کے یہودی اور دوسرے لوگ مخالف ہوکر آپ کی ایذا رسانی کی تدبیریں کرنے لگے اللہ پاک نے اپنے حبیب اور اُنکے جان نثاروں کے اطمینان کے لئے تمثیلاً بطور اخبار کے یہ حکایت

فرمائی

مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ

یعنی اے ہمارے حبیب اس سے پہلے ان یہودیوں کے باپ دادوں نے (مَکَرُوْا) درپردہ تدبیریں کیں کہ ہمارے نبی عیسیٰ کو قتل کریں لیکن اُن کی تدبیروں نے کچھہ کام نہ دیا (وَمَکَرَ اللّٰہُ) اور اللہ کی تدبیر نے یہ کام کیا کہ اپنے نبی کو آسمان پر اُٹھالیا اور اُنکے سردار کو ہمشکل عیسیٰ علیہ السلام کرکے اُسکو اُنہیں کے ہاتھوں سے قتل کرادیا پس ہماری حفاظت اور تدبیروں سے جب اُنکے باپ دادے نے ہمارے نبی علیہ السلام کا کچھہ نہ کرسکے تو اُن کی یہ اولاد جو تمہاری ایذا رسانی کے درپے ہیں ہماری حفاظت اور تدبیر کے سامنے یہ بھی تمہارا کچھہ نہیں کرسکتے اور مزید بے برآں اطمینان قلب کیلئے

یہ فرمایا

— ۵۵ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۵۵ —

اور جو لوگ تمہاری ایذا رسانی کی تدبیریں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے بڑھکر تمہاری حفاظت کی تدبیریں کرنیوالا ہے پس تم مطمئن ہوکر بیخوف اور بیکھٹکے تبلیغ احکام الٰہی کی کرتے رہو اور کچھہ خیال نہ کرو

اس آیت شریف کی تصحیح کے لئے بہت سی تاویلات کو گنجایش ہے مگر بنظر تطویل اب ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں اور اُسکے محسنات غیر متناہیہ میں سی چند باتوں کو ذکر کرکے اس کلام کا حسن ظاہر کرتی ہیں

اس آیت شریف میں منجملہ اور بہت سی محسنات کے ایک صنعت مشاکلت پائی جاتی ہے جو اس آیت کے حسن ظاہری کو دکھلا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس لفظ سے ایک معنی حقیقی کو تعبیر کرتے ہیں پھر اُلٹ کر اُسی لفظ کو دوسری معنی مجازی میں استعمال کرنا یہ حسن کلام میں شمار کیا گیا ہے مثلاً کسی لڑکے کو اُسکا باپ یا اُسکا اُستاد کھیلتا دیکھکر یہ کہے کہ اچھا بچہ کھیلے جاؤ دیکھو تو ہم بھی کیسا کھیل کھلاتے ہیں اس مثال میں یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے کھیل سے تو اُسکے وہی معنی حقیقی لہو و لعب مراد ہیں اور اُسکے مقابل میں جو دوسرا کھیل ہے اُس سے معنی مجازی اُس کی سزا مقصود ہے پس اسی طرح اس آیت لطف گستر میں پہلے مکر سے تو اُسکے اپنے معنی حقیقی دغا اور فریب کے مراد ہیں اور

اُسکے مقابل میں جو دوسرا مکر ہے اُس سے اُس مکر کی سزا مد نظر ہے پس یہ تکرار لفظی بدو معنی جو ایک دوسرے کے مقابل ہے یہ اس آیت کی حسن وخوبی کو دکھلا رہی ہے

اور اس صنعت سے ایک اور لطیفہ غریبہ پیدا ہو کر اس کلام کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ فعل متعدی میں ہر فاعل کا فعل اُس کے مفعول پر پہونچتا ہے پس وہ مکر جو اُنکی طرف مضاف اور اپنے معنی حقیقی پر محمول ہے جب اُسکو مجازاً سزا کے معنی میں لیکر خدا کی طرف منسوب کیا پھر وہ فعل فاعل سے نکلکر مفعول پر پہونچا تو بعینہٖ اُس کا یہ مصداق ہوا ۔ ؎

جو بولے اسلام کے مقابل اُسی کی جوتی اُسیکا سر ہے

اُنہیں محسنات میں سے اس آیت شریف میں ایک صنعت توریہ اور ایہام بھی پائی جاتی ہے جو اس آیت کی حسن وخوبی کو دکھلا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک لفظ ایسا بولیں جسکے دو معنی ہوں ایک معنی مشہور ۔ اور دوسرے معنی غیر مشہور اور جو معنی غیر مشہور ہوتے ہیں وہی مقصود بالتکلم ہوتا ہے جیسے

؎

بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھسے ہی تو گھر دیر و حرم کا

اس شعر میں سایہ کے دو معنی ہیں ایک معنی حقیقی جو دھوپ کے مقابل میں

بولا جاتا ہے اور یہ معنی مشہور اور عام فہم ہیں۔ دوسرے معنی سایہ کی حمایت کے ہیں اور یہ وہ معنی ہیں جو غیر مشہور ہیں اور یہی معنی اس شعر میں مقصود ہیں اور چونکہ اس میں معنی قریب کے مناسبات مذکور نہیں اسلئے یہ مثال ایہام مجرد کی ہوئی اور جس میں مناسبات معنی قریب کے مذکور ہوتے ہیں اُسکو ایہام مُرشح کہتے ہیں اور مثال اُسکی یہ ہے ؎۔

دل جو دیکھا تو صنم خانہ سے بد تر نکلا
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں خدا رہتا ہی

معنی حقیقی رہنے کے سکونت اور استقرار کے ہیں اور یہ معنی قریب الفہم اور مشہور ہیں۔ دوسرے معنی مجازی رہنے کے متصرف ہونے کے ہیں اور یہ معنی بعید الفہم اور غیر مشہور ہیں اور یہاں یہی معنی مقصود ہیں پس جسطرح ان دونوں شعروں میں یہ ایہام ان شعرونکا حسن دکھلا رہا ہے اسی طرح اس آیت شریف میں مکرا اللہؐ میں جو مکر ہے اُسکے دو معنی ہیں ایک معنی حقیقی حیلہ اور فریب کے۔ اور یہ معنی مشہور اور قریب الفہم ہیں۔ اور دوسری معنی مجازی بقرینہ جرم سزا کے ہیں اور یہ معنی غیر مشہور اور بعید الفہم ہیں اور یہاں یہی معنی مقصود ہیں پس اس آیت شریف میں ایک لفظ سے دو معنی حقیقی اور مجازی کا سر نکال کر اپنے مطلوب اور محبوب کی صورت دکھلانا صاحب نظروں کو کچھہ اور ہی لطف دے رہا ہے اور بقرینہ کفر یہ ایہام مرشح ہے جو اس

کلام کی خوبی کو ظاہر کر رہا ہے

منجملہ انہیں محسنات کے اس آیت شریف میں بہ ادنی تغیر ایک **صنعت استخدام** بھی ہے جس سے اس کلام کی حسن وخوبی ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی تو اُسی لفظ سے لئے جائیں۔ اور دوسرے معنی اُسکے ضمیر سے لئے جائیں۔ یا اُس لفظ کی طرف دو ضمیریں پھرتی ہوں ایک ضمیر سے ایک معنی لئے جائیں۔ اور دوسری ضمیر سے دوسرے معنی لئے جائیں جیسے ؎

سایۂ گیسو ہیں کہا ہم پہ او پری
بولا کہ اُسکے سایہ سے پرہیز چاہئے

پری کے دو معنی ہیں سوال میں پری کے معنی مجازی معشوق کے ہیں اور جواب میں پری کے معنی حقیقی ہیں اجنہ متعارفہ ہے۔ پس اسی طرح اس آیت شریف میں جو مکر کہ کفار کی طرف مضاف ہے اُسکے معنی حقیقی تو وہی حیلہ اور فریب کے مراد ہیں اور جو مکر اللہ کی طرف منسوب ہے اُس کے معنی مجازی جزا اور سزا کے مقصود ہیں۔ اور یہ صنعت استخدام ہے جو اس کلام کے حسن کو دکھلا رہی ہے

مکروا میں مسند الیہ کو ضمیر غائب سے تعبیر کرنا جو بہ نسبت تکلم اور خطاب کے غائت پستی میں واقع ہے اُن مکاروں کی حقارت پر دلالت کرتا ہے

جو قابل تکلم اور خطاب نہیں سمجھے گئے۔ اور مکر اللہ میں مسند الیہ کو اسم
ذات سے تعبیر کرنا یہ جلالت شان اور اُس کی عظمت کو دکھلا رہا ہے
کفاروں کے مکر کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا اور اللہ کے مکر کو اسم
ظاہر کی طرف منسوب کرنا اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفاروں کا مکر اور اُن کی
تدبیریں مضمر اور دل کی دل ہی میں رہیں اُنکا کچھ ظہور نہوا۔ اور اللہ جلشانہ کی
تدبیر نے وہ کام کیا جسکا ظہور سارے عالم میں ہوگیا

مکروا میں واو کا مسند الیہ ہونا اور مکر اللہ میں علم کا مسند الیہ
ہونا اس میں یہ اشارہ ہے کہ واو کے مدلول بوجہ اپنے ناکامی کے مثل
واؤ کے سرنگوں ہوگئے۔ اور صاحب علم اپنے کام میں مثل علم کے سربلند
رہا

تنافر حروف اور غرابت الفاظ اور مخالفت قیاس لغوی اور ضعف
تالیف اور تعقید لفظی اور معنوی سے خالی ہوکر مقتضاے حال کے
مطابق ہونا دلیل اسکے فصیح اور بلیغ ہونے کی ہے

پہلے جملہ پر دوسرے جملہ کا عطف بحرف جامع وصل کی خبر دیتا ہے تناسب
اور جامعیت نسبتوں میں دونوں جملوں کا جز ہونا دونوں مسندوں کا
زمانہ ماضی پر دلالت کرنا دونوں حکموں کا علت اور معلول ہونا دونوں
مسند الیہ میں مجرم کا منتقم کے مقابل ہونا علاوہ تناسب کے صنعت تضاد

کو دکھلا رہا ہے ۔

اس آیت شریف کے متعلق یہ تھوڑے سے محسنات لفظی کا ذکر ہوا اگر باعتبار معانی اور بیان کے اُسکے جوہر ذاتی اور حسن باطنی کا ذکر چھڑ جائے تو اُسکا ختم کرنا مشکل بلکہ سمجھنا سمجھانا بھی دشوار ہو جائے لہذا مشتے نمونہ از خروارے انہیں دو چار لفظی باتوں پر اکتفا کیجاتی ہے اور اس آیت شریف سے دین اور دنیا کے متعلق جو بعض بعض مسائل مستنبط اور ماخوذ ہوتے ہیں اُنکو دکھلا کر بطور دعوے کے یہ کہا جاتا ہے کہ مثل اس قرآن کے اس جہان میں کوئی اور بھی ایسی کتاب ہے کہ جسکے ایک ایک جملہ سے تمام دین اور دنیا کے کاروبار کی اصلاح ہوتی ہو ہرگز نہیں حضرت یہ وہ قرآن ہے کہ بمقتضائے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔

اور اُتارا ہمنے تم پر (اے محمدؐ) یہ قرآن جو بیان واضح ہے ۔ ہر شے کے لئے

کے تمام امور کلی اور جزئی جیسے انتظام ملکی اور مالی اور اصلاح ظاہری اور باطنی کی ہوتی ہے وہ سب کے سب اس میں موجود ہیں اور حقیقۃً یہ قرآن ان سب باتوں کے لئے ایک دستور العمل اور طریقہ تعلیم ہے مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں کہ بے اعانت ماہر فن کے کوئی شئے اس سے اخذ اور استنباط کر کے اُسکو وہ اپنا دستور العمل بنائے یا بلا تحقیق کسی جزئی کو کام

میں لائے

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ

پھر جب معلوم کیا عیسے نے بنی اسرائیل کا کفر بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں کہا

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا

حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنیوالے اللہ کے۔ ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہمنے حکم

مُسْلِمُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

قبول کیا۔ اے رب ہمنے یقین کیا جو تونے اتارا اور ہم تابع ہوی رسول کے سو لکھ لے ہمکو

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

ماننے والوں میں

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط

اور فریب کیا اُن کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے

اس آیت شریف سے بہت سے مسائل شرعیہ مثل عقائد اور عبادات اور معاملات اور اخلاق اور سیاست ملکی اور مالی اور تصوف اور سلوک اور عرفان اور تقرب الٰہی کے مستنبط ہوتے ہیں

چنانچہ اس آیت شریف میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت

عیسٰے علیہ السلام کے واقعہ سے خبر دی گئی تو محض قصہ اور کہانی نہیں بلکہ بعد تدبّر اور فکر کرنے کے اس سے بڑے بڑے اصول اور نتائج ماخوذ ہوتے ہیں جو دین اور دنیا کی اصلاح کے لئے اصل اصول اور قاعدہ کلیہ سمجھے جاتے ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالٰی کی طرف سی مبعوث ہو کر احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے لگے تو اُس زمانے کے یہود وغیرہ آپکے جانی دشمن ہو کر طرح طرح کی ایذا پہونچانے لگے اُسوقت اللہ تعالٰے نے اپنے رسول کے اطمینان اور تسکین کے لئے بطور تمثیل اور نظیر کے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا کہ اس سے پہلے ان یہودیوں کے باپ دادے ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن ہو کر درپے اُنکے قتل کے رہے مگر حمائت ربی نے اُنکو آغوش حفاظت میں لیکر اُن کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا اور وہ لوگ ناکام ہو کر ہر طرح ذلیل اور خوار ہوئے پس اُن کی یہ اولاد جو تمہاری ایذارسانی کے درپے ہیں جب ہماری حفاظت اور حمایت تمہارے شامل حال ہے تو یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں پس ہماری حمایت میں ہو کر تم اطمینان سے اپنا کام کرتے رہو۔ فقط **یہ حمایت** جس کی اضافت خدا کی طرف ہے اہل اللہ اور مسلمانوں کے لئے کیسی تقویت بخش اور آیندہ کے کاموں کی بہبودی کے لئے کیسی قوی امید دلانے والی ہے

زہے نصیب اُن لوگونکے جنکا خدا حامی اور مددگار ہو کر اُن کے
کاموں کا کفیل ہو جاوے اس سے بڑھکر اور کونسا مقام فخر کا ہوگا
اور یہ اضافت یعنی ہم تمہارے حامی اور مددگار ہیں یہ اہل دل اور
بوجھ والوں کے لئے ایک قوت مقناطیسی تھی جو جوق جوق اُس کے
رسول کیطرف خود بخود کھچے چلے آتے تھے
اور یہ قرآن کی ادنی التعلیم ہے کہ اُسکے طرز بیان سے ہزارہا کافر مسلمان ہو کر
اللہ والے ہو گئے
اس قصہ اور حکایت کے مضمون سے
یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص نیک نیتی سے کوئی کام دین
یا دنیا کا کرنا چاہے اور حسب عادت زمانہ اُسکے سیکڑوں دشمن اور خلل انداز
پیدا ہو کر اُسکو اُس کام سے باز رکھنا چاہیں تو وہ گھبرا کر اُس کام کو چھوڑ نہ
بیٹھے بلکہ باقتضاے غایت اس حکایت کے نظر بحذا کر کے اپنی ہمت
کو قائم رکھے آخر کار جب یہ اپنے کام سے تھک کر عاجز ہو جائیگا اُسیوقت
تایید غیبی اُسکی حامی اور مددگار ہو کر اُسکے کام کو انجام دیگی اور یہ اپنے مقصد
میں کامیاب ہوگا اور یہ تدبیر اور استقلال
ایسی شے ہے جو تمام امور ملکی اور مالی کی کامیابی کے لئے ایک اصل
اصول اور قاعدہ کلیہ ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

منجملہ اُنکے اِس سے ایک افادہ یہ ہے

کہ بوجہ مشتمل ہونے ایک امر غائب کے یہہ آیت اپنے کلام الہی ہونیکی
تصدیق دلارہی ہے کیونکہ جو ذات محض اُمّی صفت ہو اور اُسنے کبھی کتب
تواریخ اور سیر پر نظر نڈالی ہو اور وہ بے دیکھے بھالے غیب کی باتوں کو بیان
کرے یہ ممکن نہیں پس ضرور ہے کہ خبر دہندہ اسکا کوئی اور ہے اور بقرینہ
حال خبر دینے والا اُسوقت سوا ے خدا کے کوئی اور معلوم نہیں ہوتا اس
سے معلوم ہوا کہ خبر دہندہ اسکا خدا ہے اور یہ خبر منزل من اللہ ہے پس یہ
آیت خود ہی اپنے کلام الہی ہونیکی تصدیق دلانیوالی ہوے اور یہ بات
ظاہر ہے کہ کلام الہی اُسپر نازل ہوتا ہے جو اُسکا مُرسل ہو اور جب یہ آیت
آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تو اُس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم بیشک
رسول خدا اور اُسکے مُرسل ہیں پس یہ آیت شریف جس طرح اپنے کلام
الہی ہونے کی تصدیق دلارہی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کے رسول

ہونیکی تصدیق دلارہی ہے

پس خدا کی تصدیق۔ اور اُسکے رسول کی تصدیق۔ اور جو منزل من اللہ
ہے اُس کی تصدیق یہ تو ایمان ہے۔ اور جو منزل من اللہ ہے اُس کی تعمیل یہہ
اسلام ہے۔ اور اس ایمان اور اسلام کا جو مجموعہ ہے اُسکا نام شریعت ہے۔

جسکو قرآن بتلا رہا ہے

فَلَمَّآ اَحَسَّ الخ

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی مخالفت اور اُن کی دشمنی کے آثار
ظاہر ہوئے تو لوگوں سے اپنے فرمایا

مَنْ اَنْصَارِیْ

کون میری مدد کرتا ہے اُسکے جواب میں لوگوں نے کہا

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ

ہم اللہ کے واسطے مدد کرنے والے ہیں

اس استعانت اور معاونت سے

یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ جب کسی کا دشمن اُس کی ایذا رسانی یا قتل کی
درپے ہو یا کوئی اور امر اہم دین یا دنیا کا ایسا پیش آئے کہ خود اُسکو انجام
نہیں دے سکتا تو اُسکی مدافعت اور اپنی حفاظت کے لئے یا اُس کام
کے پورا کرنے کے لئے مثل عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکی حوارین کے ایک دوسرے
سے مدد چاہنا اور اُنکو مدد کرنا جائز ہے اور یہ اصل اصول تمدن اور معاشرت
کا ہے کہ بغیر ایک دوسرے کی مدد کے دین اور دنیا کا کوئی کام نہیں چلسکتا

اور یہ تجویز حقیقتہً انتظام ایک عالم کا ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ

میں حسن کی دلالت ایک امر محسوس پر ہے جو قطعی اور یقینی ہوتا ہے پھر امر قطعی
کے مقابل میں منھم میں ھم ضمیر مبہم کا لانا اس مصلحت سے ہے کہ
ھم کی دلالت ایک جماعت پر ہے اور بقرینہ من تبعیضیہ بعض انمیں
متصف بالایمان اور بعض ملوث بالکفر تھے اور بوجہ ابہام یہ امر یقینی نہتا
کہ کون ان میں مومن ہے اور کون کافر ہے اسلئے مخصوص کو عموم کے
ضمن میں تعبیر کیا کہ جنکے دلوں میں نور ایمانی ہے وہ باطاعت پیش آئینگے
اور جو کفر کی نجاست میں لتھڑی ہوئی ہیں وہ اس طرف رخ بہی نہ کرینگے اور یہ مومن
اور کافر اور دوست اور دشمن کے پہچاننے کے لئے ایک آسان طریقہ ہی
جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

اور نیز مظہر کو چھوڑ کر مضمر کی طرف آنا اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے - اور چونکہ
اسوقت تک بغیر اظہار کے شریعت کے موافق کسی پر اطلاق ایمان کا نہتا
اسلئے بصیغہ عموم سب کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ شان بلیغ ذیعقل
صاحب شعور کی ہے کہ اپنے دشمن کو اور جو اسکے ساتھ ملنے والے ہیں اُن
سب کو حقیر جانے - اور ایسے دوست کو بہی مخالفین کے زمرہ میں شمار
کرے

اور یہ باعتبار مآل اور دور اندیشی کے ایک بہت بڑا اصول معاشرت کا ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ

مِنْهُمْ میں جو ضمیر مجرور ہے اُسکی دلالت ایک جماعت پر ہے اور بوجہ اضافت الی الکفر وہ موہم اس امر کی ہے کہ وہ جماعت سب کی کفر کے ساتھ متصف ہی مگر مِنْ تبعیضیہ کا یہ بیان کہ یہ بات نہیں بلکہ بعض اُن میں کافر اور بعض ایسے بھی ہیں کہ نور ایمانی اُن میں مقدر اور مضمر ازلی ہی اور چونکہ ضمائر کی وضع خاص اور موضوع لہ انکا عام ہوتا ہے اسلئے اُس امر کی تمیز نہیں ہو سکتی کہ کون اُسمیں کافر ہے اور کن لوگوں کے دلوں میں نور ایمانی مضمر ہے پس اس تمیز کے لئے بصیغہ عموم مَنْ کے ساتھ استفہام ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں نور ایمانی ازلی یعنی مقدر ہے وہ اضطرارًا لبیک کہکر اتا ہمدردی کے ظاہر کرینگے اور جو کافر ہیں اُنسے بیوفائی ظہور میں آئیگی پس اس طرز بیان سے مومن اور کافر اور دوست اور دشمن کے پہچاننے کیلئے ایک بہت آسان طریقہ ہے جسکی ہر شخص کو ہر معاملہ میں ضرورت پڑا کرتی ہے اور یہ ہدایت عامہ ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ

مین مَنْ کو بلا تعیین بطور عموم کے استفہام کے ضمن میں لاکر سب کو اپنی طرف متوجہ کر کے مشتاق خبر کا کر لینا یہ شان بہت بڑے مدبر حکیم بلیغ کی ہے کہ ایک کلمہ سے سب کو

اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور یہ مسئلہ **تالیف قلوب** کا ہے جسکے سبب سے قوۃ اجتماعی اور ہمدردی وجود میں آکر تمام کاروبار کے انتظام کے لئے علت پڑا کرتی ہے۔

یہ استفہام تعظیمی جو بصیغہ **مَن** بغرض تشویق اور ترغیب ہے یہ بہادران جانباز شجاعت شعار کے دلوں میں ایک جوش ہمدردی اور جانبازی کا پیدا کر رہا ہے جو معرکہ آرایان جنگ و جدال کی نظروں میں ایک حالت رجز کی دکھلا رہا ہے اور یہ حقیقۃً قوت اجتماعی اور اتحادی کے حاصل کرنیکے لئے ایک بہت عمدہ تدبیر ہے جسپر تمام سیاستوں ملکی اہلی کا دارومدار ہے

اور یہ تعلیم قرآن کی ہے

اس استفہام بالعموم سے ایک اور مسئلہ حل ہو رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ مدد دینے میں کسی پر جبر نہیں بلکہ اپنی خواہش سے جسکا جی چاہے وہ ہمارا انصار ہو کر دین کی اعانت کرے اور جسکا جی نہ چاہے وہ اپنے **فعل کا مختار** ہے۔

اور یہ تعلیم قرآن کی ہے

جسکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان جبراً جہاد کر کے لوگونکو اپنے دین میں لاتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے

اس تعمیم بلا تخصیص میں ایک بہت بڑا مسئلہ یہ بھی حل ہو رہا ہے کہ اس **مَن** کے بعد **اَنْصَارِیْ** کہنے سے یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی جان کر خوف سے ہراساں ہو کر لوگوں سے اپنی اعانت کی التجا کی حالانکہ یہ امر نبی علیہ السلام کی شان کے خلاف اور انکے صبر اور رضا کے مخالف ہے پس اس مظنہ کے دور کرنیکی غرض سے تخصیص کو مٹا کر بصیغہ عموم خطاب ہوا کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسیکو اپنی ذاتی غرض

ہوتی ہے تو جس سے اُس کام کی امید کیجاتی ہے اُسی کی طرف التفات خاص اور التجا
مخصوص ہوتی ہی اور جب کسی خاص کے ساتھ التفات نہیں بلکہ بطور تخییر بصیغہ عموم خطاب ہوا
تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ خطاب اپنے نفس کے لئے نہ تھا بلکہ بلا تعیین ایک دعوت
عام الی باب الخیر تھی کہ جسکا جی چاہے اس اعانت میں شریک ہو کر دین اور دنیا کی بھلائی حاصل
کرے اور یہ تزکیہ نفوس انبیاء کرام کا ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

مَنْ کے بعد اور قبل ذکر کرنے اِلَی اللّٰہِ کے انصار کو نفس متکلم کی طرف مضاف
کرکے اپنی اعانت کی خبر دینی یہ امتحان اسبات کا ہے کہ کون بلا غرض ہماری ہمدردی کرکے
اظہار اپنے اخلاص کا کرلیتا ہے۔ اور کون صاحب غرض ہماری اس دعوت کو قبول
نہیں کرتا اور مخلص بی طمع دوست کی پہچان ایک امر اہم اور دشوار ہی

جسکو قرآن ایک آسان طریقہ سے تعلیم کر رہا ہے

مَنْ اَنْصَارِیْ میں اَنْصَار کو جو نفس متکلم کیطرف اضافت ہے تو یہ اضافت محض ذات
کیطرف نہیں بلکہ بقرینہ اِلَی اللّٰہِ اس ذات میں وصف رسالت بھی ملحوظ ہی کیونکہ کوئی نیکی خواہ از
قبیلہ اقوال ہو یا از قبیلہ افعال ہو بغیر اتباع رسول علیہ السلام کی موصل الی اللہ نہیں ہوتی اس صورت
میں مَنْ اَنْصَارِیْ کے یہ معنی ہوئے کہ (کون مجھ رسول کا معین اور انصار ہوتا ہی) پس اقتضاءً
اول رسل کی رسالت کا اقرار اور اسکی تصدیق ہوگی پھر اُسکے بعد اُسکے حکم کی موافق اُسکی
اعانت کی تعمیل واجب آئیگی لیکن رسالت کی تصدیق اسکے مُرسِل کی تصدیق پر موقوف ہے

پس سب سے پہلے **ایمان باللہ** واجب ہوگا پر تصدیق رسالت کی اسکے بعد بجاآوری احکام کی لازم آئیگی پس اول سے تعلیم **توحید** کی ہوئی **دوسرے** سے تکمیل **ایمان** کی **تیسرے** سے تعلیم **اسلام** کی اور یہی اصل اصول شریعت کا ہے

جسکو قرآن ایک لفظ سے تعلیم کر رہا ہے

مَنْ اَنْصَارِیْ

میں انصار کو نفس متکلم کی طرف مضاف کرنیسے یہ نصرت جو انصار میں ہے بوجہ اضافت اگرچہ مخصوص نبی علیہ السلام کے ساتھ ہوگئے مگر یہ مسئلہ اصول کا ہے کہ ہر شئے کے لئے مورد خاص اور حکم اسکا عام ہوا کرتا ہے اسلئے وہ اعانت نبی کے حکم کے تابع ہوکر تمام موارد احکام اور اغراض میں اسکا تحقق اور نفاذ ہوگا۔ **مثلاً** اسکا حکم اگر اعانت **فی العلم** کے لئے ہے تو **معلمین** کی اعانت فی العلم دن رات لکھانے پڑھانے میں انکا مصروف رہنا ہے

اور متعلمین کی اعانت اس علم کی تحصیل میں دن رات ان کا کوشش کرنا ہے

اور اسکے معاونین کی اعانت بقدر حیثیت اپنی اپنی ہمت کے موافق مدد کرکے جگہ جگہ مدارس قائم کرنا اور انکے قائم رکھنے میں اپنی اپنی ہمتونکو مصروف رکھنا ہے

اور جو اسکے منتظم اور کارکن ہیں انکی اعانت اپنے اپنے کار منصبی کو پورا پورا انجام دیتا ہے

اور یہ اعانتیں تمام عبادتوں مالی اور بدنی قولی اور فعلی کو شامل ہیں۔

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

اور اگر اُسکا حکم اعانت غربا اور مساکین کے لئے ہے تو ہر شخص کو موافق اپنی اپنی ہمت اور وسعت کے امداد کر کے انکی ضروریات کو رفع کرنا ہے پس وہ اعانت اگر اقربا کے ساتھ ہے تو وہ عبادت صلہ رحم کی ہوئی اور اگر وہ اعانت اغیار کے حق میں ہے تو وہ عبادت خیرات اور صدقات میں شمار کی جائیگی

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

اور اگر اُسکا حکم اعانت فی الحقوق میں ہے تو باعتبار انواع اور اقسام حقوق اور اہل حقوق کے جو جسکا حق ہے اُسکے مطابق اپنے اپنے اقوال اور افعال اور جان اور مال کو اپنے اپنے محل میں صرف کرنا ہے اور یہ تمام عبادتوں جانی اور مالی اور بدنی اور قولی اور فعلی کو حاوی ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

اور اگر اُسکا حکم اعانت فی التمدن ہے تو معرکہ آرایان جنگ و جدال

اور منتظمان بافضل وکمال اور کارکنان ملکی ومالی جو جو جن جن کاموں پر مقرر ہیں انکو اپنے اپنے کار منصبی کو علی حسب قتضا کے انجام دینا تمام انتظام سلطنت اور نظام عالم کے لیئے ازل سے ابد تک کے لیئے ایک قانون

قدرت کا نمونہ ہے

جسکو قرآن ایک لفظ سے بتلا رہا ہے

اور باعتبار مواقع اور محل اور اغراض مختلفہ کے یہ اعانت ہر قسم کی عبادتوں کو

شامل ہے

اور اگر اُسکا حکم اعانت **فی القتال** ہے تو ہر شخص کو اپنے اپنے ساز وسامان کے ساتھ میدان قتال میں آکر شوکت اسلامی اور قوت اتحادی کو دکھلا کر اپنے حریف پر غالب آنا ہے اور یہ اصل اصول فتحیابی اور کامیابی کا ہے اور یہ بھی تمام عبادتوں قولی اور فعلی مالی اور بدنی کو شامل ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

اگر وہ اعانت **فی التعامل** ہے تو ہر شخص کو ایک دوسرے کے ساتھ خوش اخلاقی اور نیک نیتی سے معاملہ اور برتاؤ کرنا اور ایک دوسرے

کے شریک حال ہو کر ایک ہو جانا ہے

اور یہ تعلیم قرآن کی ہے

کہ بغیر اسکے دین اور دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا اور یہ عبادت اخلاقی ہے جو دین دنیا کی کام کرنیوالوں کو قرآن

اور اگر اسکا حکم اعانت **فی التعبد** ہے تو اقامت جمعہ اور جماعت اور کثرت روزہ نماز اور تنفیذ احکام فقہیہ انعقاد مجالس شرعیہ وعظ و نصائح دینی و دنیوی مشاورت امور جزئی و کلی جو جسوقت کے مناسب ہوں اُن سب کو ادا کرنا ہے اور یہ تعلیم **شریعت** کی ہے

(جسکو قرآن سکھلا رہا ہے)

اگر اسکا حکم اعانت **فی الطریقت** ہے تو موافق اصول پیران طریقت کے ریاضات مجاہدات سے تزکیۂ نفس کا کرکے اپنے آپ کو قابل مشاہدہ ذات اور صفات کے کرلینا ہے اور یہ تعلیم **سلوک** کی ہے

(جسکو قرآن تبلا رہا ہے)

اور اگر وہ اعانت **نفی عن الغیر** میں ہے تو مشاہدہ ذات اور صفات میں محو اور مستہلک ہوکر اپنی ہستی سے گذر جانا ہے

(اور یہ تعلیم قرآن کی **عرفانی** ہے)

جسکے لئے انسان پیدا ہوا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

اور نہیں پیدا کیا مینے جن اور آدمی مگر اپنی عبادت کے لئے

(ای لِیَعْرِفُوْنِ)

یعنی اپنے عرفان کے لئے

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ

میں اِلَی اللّٰہِ۔ موصلاً محذوف کے متعلق ہے جو انصاری سے حال واقع ہوا ہے اور حال اور عامل حال کا زمانہ ایک ہوا کرتا ہے اس صورت میں اس آیت شریف کا یہ مفہوم ہوا کہ رسولؑ کی اعانت اور فرمانبرداری یہی **موصل الی اللہ**

پس اس آیت شریف میں دعوت الی الاعانت یہ تو تعلیم **شریعت** کی ہے جس سے ثواب آخرت حاصل ہوتا ہے۔ اور اسکی اعانت اور حسب منشاء اسکے حکم کی فرمانبرداری یہ تعلیم **طریقت** کی ہے جس سے تزکیہ اور تصفیۂ نفس کا ہوکر وہ قابل مشاہدہ ذات اور صفات کے بنجاتا ہے اور اسکی غایت اور وصول الی اللہ یہ عین **حقیقت** ہے جس سے عرفان اور تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے

(اور یہ تعلیم قرآن کی ہے)

جو دو لفظوں نے تمام مراتب **شریعت** اور **طریقت** اور **حقیقت** اور **معرفت** کی بتلا رہا ہے

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ میں

(مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ)

یہ مقولہ جملہ اسمیہ واقع ہوا ہے۔ اور بقرینہ حال اسوقت کا تکلم زمانہ حال کو

مقتضی ہے یعنی

(کون اسوقت ہماری مدد کرتا ہے)

لیکن چونکہ فعل میں تجدد اور بے ثباتی ہوتی ہے اسلئے بغرض استمرار جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا تاکہ اس میں معنی استمرار اور دوام کے پیدا ہوکر اسکے یہ معنی ہوجائیں کہ

(کون ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمارا انصار بنتا ہے)

اس عدول اور معنی استمرار پیدا کرنے میں اول تو اس امر کی تنبیہ ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسوقت

مَنْ اَنْصَارِیْ

کہنا اپنی جان کی حفاظت کے لئے نہ تھا اگر اس سے اپنی جان کی حفاظت مقصود ہوتی تو جو زمانہ جان کے خوف کا تھا اسی وقت کے ساتھ وہ اعانت مقید ہوتی اور جب قصداً اسوقت کی قید کو توڑ کر معنی دوام اور استمرار کے پیدا کیے گئے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ طلب اپنی جان کی حفاظت کے لئے نہ تھی بلکہ اپنی جان کو مفوض الی اللہ کر کے

مَنْ اَنْصَارِیْ

کے ساتھ ایک دعوتِ عام الیٰ باب الخیر تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس میں

تخصیص مناوی کی نہیں بلکہ بطور تخییر کے ایک خطاب عام ہے کہ جسکا جی چاہے وہ ہماری اعانت کرکے دین اور دنیا کی سعادت حاصل کرے

پھر بغرض تزکیہ نفوس انصار کو نفس متکلم کی طرف مضاف کرکے الی اللہ کے ساتھ اسکو مقید کرکے یہ ہدایت ہوئی کہ جو ہماری اعانت کرنا چاہی وہ حسبتہ للہ خاص اللہ کے واسطے ہو ہماری رودر عائت یا لوگونکے دکھلانیکے لئے نہو

اس جملہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں

اول تو اظہار تزکیہ نفس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور یہ مسئلہ عقائد کا ہی جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

دوسرا یہ مسئلہ ماخوذ ہوا کہ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے نبی ہوکر انصار کو اپنے نفس کی طرف مضاف کرکے لوگوں سے اپنی اعانت چاہی۔ تو اور لوگونکو بہی اپنے اپنے معاملہ میں دوسروں سے مدد چاہنا جائز ہوگیا۔ پس بایں معنی کہ انصار کو نفس متکلم کی طرف اضافت ہے جسکو اس عالم سفلی سے تعلق ہے امور دنیادی میں اس اعانت کا جواز نکلتا ہے اور اس معنی کر کہ اس انصار کو بالواسطہ اللہ کی طرف

انضمامنت ہے جسکو عالم علوی سے تعلق ہے امور دینی میں اعانت کا
جواز نکلتا ہے اور بنظر للہیت دونوں معین شیب ہوتے ہیں
اور یہ تعلیم قرآن کی ہے
جس سے تمام کاروبار دین اور دنیا کے انجام پاتے رہتے ہیں اور تیسرے
یہ ہدایت تمام تضمن خاص ہے کہ ہر کام میں خواہ وہ دین کے متعلق ہو خواہ
وہ دنیا سے علاقہ رکھتا ہو خلوص اور للہیت چاہیئے کیونکہ اسمیں اول
تو رضامندی خالق کی ہے جس میں تائید غیبی مزمن اور مضمر ہوتی ہے
اور وہ موجب خیر و برکت اور باعث مغفرت کے ہوا کرتی ہے۔
دوسرے یہ کہ جسکے ساتھ معاونت کیجاتی ہے وہ ہمیشہ کے
لیئے اسکا ممنون اور مشکور رہتا ہے بلکہ اسکے معاوضہ میں ہمیشہ اس
کے کاموں میں مدد دینے کا خیال رہتا ہے اور بالفرض بوقت ضرورت
اگر کسی ایسے ہی ناشکرے خودغرض سے اسکے حق میں بیوفائی یا بے
اعتنائی ظہور میں آئی تو بوجہ للہیت اسکی طرف سے اسکے دل میں کچھ
خیال نہیں آتا۔ اور نہ آیندہ کے لیئے کسی کار خیر میں اس کی ہمت قاصر
ہوتی ہے اور یہ اصل اصول معاشرت کا ہے جس کی وجہ سے تمام کاروبار
دین اور دنیا کا ایک دوسرے کی اعانت اور مدد سے انجام پاتے رہتے
ہیں اور کسی قسم کا اُن میں خلل پیدا نہیں ہوتا اور جس میں للہیت

نہیں ہوتی بلکہ اس میں نفس کا لگاؤ ہوتا ہے تو ذرا سی بے اعتنائی سے سارے
کام خراب ہو جاتے ہیں اور یہ ہدایت عامہ وہ ہے
جسکو قرآن اشارۃً بتلا رہا ہے

چوتھی یہ ہدایت مفہوم ہوتی ہے کہ ہر کام میں جسکے ساتھ جس قسم کی اعانت
اور مدد ہو وہ عارضی اور چند روزہ نہو بلکہ وہ اعانت قولی ہو فعلی ہو مالی ہو بدنی
ہو جس طرح کی ہو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہونا چاہئے
اور یہ تعلیم قرآن کی ہے
جو دین اور دنیا کے کاموں میں ہمیشہ کام آنیوالی ہے

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

منتخب میں حواری کے معنی سفید پوست کے ہیں اور اس جگہ سفید پوست
استعارہ ہے نور ایمان سے یعنی جنکے دلوں میں ازل سے نور ایمان مخفی
اور پوشیدہ تھا تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مَنْ اَنْصَارِیْ کے
کہنے پر نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ زبان پر لائے

یہ مقولہ بھی بقرینہ حال زمانہ حال کو مقتضی تھا لیکن سوال میں جب بغرض
استمرار جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول ہوا اسلئے اُسکے جواب میں بھی
وہی تصرف کر کے معنی استمرار پیدا کئے گئے اور اُس سے یہ ظاہر کیا گیا کہ
(ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معاون اور مددگار ہوں ہیں)

اور چونکہ سوال میں اَنْصَارِیْ کو اِلَی اللّٰہِ سے مقید کر کے اس امر کی ہدایت
کی گئی تھی کہ جو اعانت ہو خاص اللہ کے واسطے ہو اس لحاظ سے جواب میں
بھی اَنْصَار کو بجائے خطاب کے اللہ کی طرف مضاف کر کے یہ اظہار
کیا گیا کہ (ہماری یہ مدد خاص اللہ کے واسطے ہے) آپ کی رُو رعایت یا
یا لوگوں کے دکھلانے کے لئے نہیں ہے۔

اس جواب سے

یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ جب حوارین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
کہنے پر اَنْصَارُ اللّٰہِ اُنکی اعانت کو قبول کر کے دین اور دنیا کی سعادت حاصل
کی اسی طرح اگر کوئی کسی معاملہ میں کسی سے کچھ اعانت اور مدد چاہے اور دوسرا
شخص اللہ کے واسطے اُس کی اعانت اور مدد کرے تو یہ اسکے لئے دین
اور دنیا کی بھلائی کا سبب ہے

دوسرا یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ہر کام میں خواہ دین کا ہو یا دنیا کا للّٰہیت شرط ہے
یعنی جسکے ساتھ جس معاملہ میں اعانت کیجائے وہ خاص اللہ کیواسطے
ہو اُسکی رُو رعایت سے نہو

تیسرا یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ وہ اعانت بالفعل کے لئے نہو بلکہ جب کبھی کسی
کا کوئی کام آپڑے شریک حال ہو کر اُسکی اعانت کرتا رہے
اور اسکے نتائج جو دین اور دنیا کی فلاح کے لئے ہیں وہ بیان سے باہر

ہر شخص کو اپنے اپنے معاملہ میں تجربہ ہوتا رہتا ہے اور خلاف اسکے جو عمل ہوتا ہے اس کی خرابی بھی سامنے آتی رہتی ہے اور یہ اصلاح انتظام دینی اور دنیا کے کار آمد ہے

جسکو قرآن تعلیم کر رہا ہے

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ

میں مَنْ اَنْصَارِیْ کے جواب میں حواریوں کا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہنا اس سے انکا مومن ہونا اور مسلم ہونا دونوں سمجھا جاتا ہے اسلئے کہ حواری کے معنی ہمنے منتخب سے بیان کئے ہیں کہ سفید پوست کے ہیں اور اس جگہ سفید پوست استعارہ ہے انکے نور ایمان سے یعنی حواری وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں نور ایمان ازل سے مخفی چلا آتا ہے پس اس معنی کر وہ مومن ازلی ہوئے

مَنْ اَنْصَارِیْ

کے جواب میں انکا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہنا یہ فرمانبرداری رسول کی ہوئی اور رسول کی فرمانبرداری اسی کا نام اسلام ہے پس اس معنی کر وہ مسلم ہوئے اور جب وہ مومن اور مسلم دونوں ہوئے پھر اسکے بعد جو انہوں نے

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ اشْہَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

کہکر اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار کیا تو اس سے

یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ ایمان قلبی جب تک اُسکا اظہار نہو گو عند اللہ
وہ مقبول ہو مگر شرع کے نزدیک وہ ایمان اور اسلام معتبر نہیں ہے نہ
اُس وقت کی اُس کی کوئی عبادت اور نیکی مقبول الشرع ہو سکتی ہے۔
پس ہر شخص کو اپنے ایمان اور اسلام قلبی کا ظاہر کرنا ایک امر ضروری ہے
اور یہ تعلیم شریعت کی ہے
جسکو قرآن بتلا رہا ہے
وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ؀
میں اسلام کو رسول کی شہادت کے متعلق اور تابع کرنے سے۔
یہ مسئلہ نکلا کہ احکام شرعیہ کی بجا آوری اور اُسکی فرمانبرداری وہی معتبر
ہے جسکے ہونے اور نہونے پر رسول کی شہادت اور گواہی ہو اور رسول
کی شہادت کا علم قیامت میں خدا کے سامنے حضور کی تصدیق ہوگی اور
اس عالم میں لوگونکے قول اور فعل کا رسول اللہ کے قول اور فعل کے مطابق
ہونا ہی رسول کی شہادت اور تصدیق ہے اور اس مطابقت کا علم حدیث
سے معلوم ہوتا ہے پس جو لوگ حدیث کو نہیں مانتے اور اپنی رائے سے
صرف کلام اللہ سے مسائل اخذ کرکے اسکو اپنا دستور العمل بنا رکھا ہے انکو
یہ علم نہیں ہو سکتا کہ انکا قول اور فعل رسول اللہ کے قول اور فعل کے مطابق
ہے یا مطابق نہیں اس صورت میں وہ مقبول الشہادت نہیں ہو سکتے اور

حقیقتہ حدیث سے انکار کرنا اس آیت سے انکار کرنا لازم آتا ہے جو نص قطعی ہے

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

اور جو دے تمکو رسول اُسکو لے لو اور جس سے تمکو منع کرے اسکو چھوڑ دو

اسلئے کہ ما اتیٰ اور ما نھیٰ یہی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

حدیث ہے

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ

رَبَّنَا - میں صفات غیر متناہیہ میں سے ربوبیۃ کو مخصوص بالذکر کرنا مشعر اس امر کو ہے کہ ندا کنندہ اپنے آپ کو نعما الہی میں مستغرق دیکھکر جس صفت کے آثار بدو نمو سے غایت وجود تک اپنے آپ میں دیکھ رہا ہے اُسی صفت سے اپنے مالک کو پہچان کر اُس نعمت کا اظہار کر رہا ہے اور یہ استدلال مؤثر کا اُسکے اثر سے

توحید عقلی

ہے کہ اگر بالفرض یہ شریعت نہوتی تب بھی اپنے خالق کا جاننا اور اُس کی وحدانیت کا اقرار عقل پر واجب تھا

اور یہ مسئلہ علم الٰہیات اور علم کلام کا ہے

جسکو قرآن سکھلا رہا ہے

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ

میں رَبَّنَا کو اٰمَنَّا پر مقدم کرنے سے

یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایمان شرعی سے ایمان عقلی مقدم ہے۔

اور یہ تعلیم قرآن کی ہے

رَبَّنَا کے بعد اٰمَنَّا لانے سے

یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ بغیر ایمان شرعی کے فقط ایمان عقلی کافی نہیں بلکہ ایمان عقلی کے بعد ایمان شرعی واجب ہے اور یہ

بُطلان حکماء کے عقائد کا ہے

جو صرف خدا کی وحدانیت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں اور ایمان بما اُنزِلَ اور

اتباع رسول

کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور یہ تعلیم عقائد کی ہے

جسکو قرآن سکھلا رہا ہے

اٰمَنَّا کو بِمَا اَنْزَلْتَ کے ساتھ مقید کرنے سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ

فقط ایمان باللہ کافی نہیں بلکہ تمام احکام اعتقادی اور تعبدی

اور تعاملی جو کچھ مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہے اُن سب پر ایمان لانا واجب

ہے اور یہ تعلیم شریعت کی ہے

جسکو قرآن سکھلا رہا ہے

آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ کے بعد وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ لانے سے یہ مسئلہ ماخوذ ہوتا ہے کہ جب تک رسول کی اتباع نہ کی جائے کوئی ایمان اور اسلام مقبول نہیں

اور یہ تعلیم قرآن کی ہے

بعد ایمان اور اسلام کے پہر دوبارہ نداکے ضمن میں ایمان اور اسلام کو ظاہر کرنا اور جواب ندا میں

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ

کے ساتھ تمنا ظاہر کرنی اس میں یہ اشارہ اور ہدایت ہے کہ آدمی اپنے ایمان اور اسلام اور اپنی عبادات اور افعال حسنہ پر نہ بہولا رہے بغیر مقبولیت کے کوئی افعال کارآمد نہیں پس بغرض مقبولیت جناب باری میں اس طرح التجا کرنی چاہیے کہ اے ہمارے پروردگار ہم تجہپر ایمان لائے اور تیرے رسول کی اتباع کرکے جو تیرا حکم ہوا اُسکو بجالاتے ہیں اب تو ہمارے ان افعالونکو اپنے کرم سے قبول فرما اور اپنی رحمت سے اسکے صلہ میں

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ

ہمکو اپنے نیک بندوں میں شمار کر اور اُن بندوں مقربین میں داخل کر جو ہروقت تیری حضوری میں رہتے ہیں

آمین یا رب العالمین

جب بندہ سوا خدا کے اور کسیکو اپنا معبود نہیں جانتا اور اس کی اور اسکے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری مین کچھہ قصور نہیں کرتا اور ہر طرف سے منہہ پھیر کر انجام کے ساتھہ اپنے مالک کو دل سے پکارتا ہے اسوقت رحمت الہی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ مقبول بارگاہ الہی ہوکر اخوش حمایت میں آجاتا ہے اور بمقتضاے

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اور تونے نہین پھینکی تہی خاک جسوقت پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی

سکے جتنے اسکے افعال ہوتے ہیں وہ سب کے سب خدا کی طرف منسوب ہوجاتے ہیں یہہ تو وہی اسکے سب کامونکا کفیل اور کارساز بنجاتا ہے

چنانچہ اسی بناپر ارشاد ہوا

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ

وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

یہ چند مسائل جو اس آیت شریف کے ظاہری لفظوں سے بیان ہوئے وہ کچھہ انہیں پر موقوف اور منحصر نہیں بلکہ اسی ایک ایت کے ظاہری لفظون سے اور سیکڑوں مسائل نکل سکتے ہیں اور اگر اسکے بطون در بطون پر غور اور فکر کیجاے تو اہل ظاہر کو تو وہاں تک رسائی نہیں جو اہل باطن ہیں

وہ بھی اُسکے اسرار اور غوامض کو نکالتے نکالتے تھک کر یہ کہنے لگیں ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

حضرت اسکے **اسرار** اور **غوامض** کو کوئی کیا جان سکتا ہے اور اُسکی تہ کو کون پہونچ سکتا ہے یہ تو **کلام** سراپا نظام **اُس ذات** غیر متناہی الصفات کا ہے کہ جس کی حقیقت اور کُنہ ہمارے مدرکات سے وراء الوراء ہے پس جو صورت ذہنیہ کہ منشاء انتزاع عنوان خارجیہ کی ہوا کرتی ہے جب وہی ہمارے ذہنوں میں نہ آئے تو اُسکو کسی عنوان کا لباس پہناکر سامنے لانا محال در محال ہاں باعتبار صفات غیر متناہی کے اُس ذات غیر متناہی سے جو غیر متناہی فیضان کا ظہور اس عالم پر ہوتا رہتا ہے تو اُسکے آثار ونکو مبدء اشتقاق فرض کرکے جو اوصاف اُس سے مشتق کریں تو البتہ ہمارے اذہان میں وہ عنوان تعبیری انعکاس ذات کے لئے مرآت بن سکتے ہیں اور اُنہیں عنوان سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ذات جامع صفات وہ ذات ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا تمام عالم اور اُسکے وراء الوراء بمقتضائے

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

سو جس طرف تم منہ کرو بس وہیں ہے اللہ

کے ازلاً وابداً وہ ہر جگہ موجود باوجود وہ کسی زمان اور مکان کی محتاج نہیں
یہ عرش اور کرسی صرف تعین مثالی ہے قبلہ اور کعبہ جہت امتثالی ہے
تعین وقتی محض اتفاقی ہے نہ ذاتی۔ وہ ذات اپنے ظہور اور اخفاء
میں کسی شان اور کسی شیون کی محتاج نہیں بذات خود وہ ایسی ظاہر بلکہ اظہر ہے
کہ اُسکا غایت ظہور مثل آفتاب کے ہم ایسے خفاش چشموں میں حجاب
در حجاب ہو رہا ہے ورنہ بمقتضاے

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

اور وہ تمہارے ساتھ ہی جہاں کہیں تم ہو

کے وہ ہمیں میں ہے مگر حد تخیل سے بدرجہا دور پس باین شان وہ ذات
بیچون اور بیچگون بے شبہ بے نمون ہے نہ واحد ہے نہ کثیر نہ کلّی نہ جزئی
نہ مطلق نہ مقید نہ منون نہ مرکب نہ جوہر نہ عرض نہ مادہ
نہ ذی مادہ نہ صورت نہ ذی صورت نہ روح نہ ذی روح تشبیہ و تنزیہ سے
مُبّرا اطلاق اور تقیید سے مُعّرا اپنی ذات اور اپنی صفات میں یگانہ نسبت
اور اضافت سے بیگانہ علم وارادت اور قدرت وغیرہ کا جو کچھ اُسکا ظہور
ہے وہ عین ذات۔ صفت و خوبی از خصوصیات سواے اُسکے کسی کا
وجود واجب نہیں اُسی کے وجود باجود نے سبہونکو احاطۂ امکان میں
لباس ہستی کا پہنایا عدم سے وجود میں لایا ایجاد و تکوین میں کسی مادہ اور کسی

صورت یا کسی آلہ اور کسی معین کا محتاج نہیں اُسکے دار الاقتدار میں کسی علل
اور اسباب کا رسم ورواج نہیں وہ احکم الحاکمین جو نیست سے ہست اور
ہست سے نیست کرنیوالا ہے جب شانِ قہاری پر آئے تو تمام عالم چشم
زدن میں درہم برہم ہوجائے اور جب صفت غفاری پر آئے تو باغیان
ازلی وادی ضلالت سے نکل کر آغوش مغفرت میں جا پائیں اُسکی وہ شان
کہ کسی کو بغیر مادہ کے مجرد پیدا کرتا ہے کسی کو مادہ میں لاکر اُس کی صورت دکھلا
ہے کسی کی نمود صرف باپ سے کی کسی کی بود فقط ماں سے کسی کی ہستی میں ما
باپ کو ملایا کسیکو بغیر ماباپ کے کر دکھایا کسی کو خاک سے نکالا کسی کو آگ
میں پالا کسیکو ہوا میں اُڑتا کر دیا کسی کو پانی میں تیرتا کر دیا مادہ کو استعداد اُس
نے دی صورت کو متشکل ہونے کی خصلت اُسنے بخشی تمام صور شخصیہ
اُسکے شموس قدرت کے ذرات قواے ظاہری اور باطنی جن سے تمام
عالم کا انتظام ہو رہا ہے اُسکے انوار حکمت کے لمعات یہ تمام مظاہر جو ہمارے
احاطہ علم میں ہے یہ اُسکا ایک ادنیٰ طلسم ہے۔ ایسے ایسے کروڑ ہا عالم
کا بنانا اور بگاڑنا اُسکے اقتدار لاانتاہی کا ایک مسمیٰ بے اسم ہے یہ تمام عالم
اُسکی نمود کے لئے حقیقۃً ایک آئینہ ہے مگر اظہار حقیقت کے لئے یہ کسی کا آئینہ
پس جو ذات بایں صفات اس عظمت اور جلال کے ساتھ ہے وہی اس قابل
ہے کہ اُسکو معبود بنائے۔ اُسی کے سامنے سر جھکائے مگر افسوس دراُفسوس

اُن سرگشتگان وادی ضلالت پر کہ ایسے معبود حقیقی منعم تحقیقی کو چھوڑتے ہیں
پتھروں سے جاجا کر سر پھوڑتے ہیں

غرضکہ جو ذات ان صفات غیر تناہی کے ساتھ موصوف ہے اُسکی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت **صفت کلام** بھی ہے جسکو **کلام نفسی** کہتے ہیں اور اُسی کلام نفسی کا جو کہ **عنوان لفظی** ہے وہ ہی **کلام اللہ** اور **قرآن** ہے جو واسطے انتظام عالم اور اُسکے معاد اور معاش کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تاکہ تمام **امور ملکی** اور **مالی۔ معادی** اور **معاشی** سب کے سب مطابق اس قانون الٰہیہ کے انتظام پاتے رہیں اور خلاف اسکے کوئی شخص کسی **عقیل** کے خرد زادہ۔ یا کسی **مقبول** کے نظر پروردہ۔ یا کسی **جہاندیدہ** کے تجربہ یافتہ کو اصلاح کار سمجھکر اس کو مقبول اور پسندیدۂ خدا نہ سمجھے

پس یہ قرآن جو کہ بمقتضائے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور اُتارا ہمنے تم پر (ای محمد) یہ کتاب جو بیان واضح ہے ہر شئے کے لئے۔

کے تمام امور کی جامعیت میں حکم ذات کا رکھتا ہے کیا ہر **شخص** کا کام ہے کہ اُسکی تہ کو پہونچکر اُسکے اسرار اور **غوامض** کا تو کیا ذکر ہے اُسکا سیدھا سادھا مطلب ہی نکال سکے یہ ممکن نہیں **حضرت** اُسکے بطون در

بطون کو جانے دیجئے اُسکے صرف **ظاہری** الفاظ اور معنی دیکھ دیکھ کر جو
اُسکے **اوامر** اور **نواہی** کی تعمیل کیجاتی ہے وہ بہی ایسی مشکل ہے کہ اُسکے
سمجھنے اور سمجھانے کے لئے سیکڑوں علوم اور فنون ایجاد کئے گئے یہ صرف
اور نحو۔ اور لغت۔ اور مصطلحات۔ اور محاورات۔ اور معانی۔ اور بیان۔ اور
بدیع۔ علم الرسم۔ علم الخط۔ علم تجوید۔ علم وقوف۔ علم تفسیر۔ اصول تفسیر۔ اصول
فقہ۔ اصول روابط۔ اصول شان نزول۔ اصول ناسخ منسوخ۔ اصول علل
اصول اسباب۔ اصول شرائط۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سے علوم اور فنون
سب اسی قرآن کے ظاہری لفظ اور معنی سمجھنے کے لئے بنائے گئے
ہیں اور باوجود ان سب علمونکے پڑہنے پڑہانے پر بہی طبقات علما میں سے
جو **ادنیٰ** اور **اوسط** طبقے کے علما ہیں وہ قرآن کے اس ظاہری لفظ اور
معنی کے سمجھنے اور سمجھانے سے عاجز خیال کئے جاتے ہیں اور اُن کا بیان
خارج از اعتبار سمجہا جاتا ہے۔ اور ان طبقات میں سے جسنے اپنی سمجھ پر تکیہ کر لیا
وہی گمراہ ہوگیا چنانچہ سیکڑوں شعبے مسلمانوں میں جو مختلف مذاہب کے نظر
آتے ہیں یہ صرف اُن کی کم علمی اور نافہمی کا نتیجہ ہے ہاں جو علما **اعلیٰ درجہ**
کے ہیں اور اُنکو مرتبہ **اجتہاد** کا حاصل ہے اور وہ مرتبۂ رسوخ کو پہونچگئے ہیں
وہ قرآن کے ظاہری لفظوں سے جو معانی اور مطالب اخذ اور استنباط کرتے
ہیں وہ البتہ قابل اطمینان کے ہوتا ہے اور اُنہیں **اعلیٰ** درجہ کے علمائ

کے تحقیق پرسب لکھے پڑھے ہے اور بے پڑھوں کا عمل درآمد ہے اور جو علما علم ظاہری اور باطنی دونوں رکھتے ہیں وہ ظاہری معانی اور مطالب کے سوا اُسکے بعض بعض نکات اور غوامض اور اسرار سے بھی مطلع ہوجاتے ہیں اور باوجود اسکے وہ علما جو راسخین فی العلم ہیں یعنی اُنکو مرتبہ اجتہاد کا حاصل ہے اور وہ قرآن کے ظاہری لفظوں سے اسکے معانی اور مطالب کو اخذ اور استنباط کرسکتے ہیں اُن کے حق میں بھی خدا پاک اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد فرماتا ہے

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ

وہی ذات پاک ہے جسنے تم پر (اے محمد) یہ کتاب اتاری جس میں سے بعض آیتیں محکم (یعنی صاف اور صریح)

هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ

ہیں کہ وہی اصل کتاب میں اور بعض دوسری مبہم ہیں۔ (کہ اُنکے معنی نہیں کھل سکتے ہیں) تو جن لوگوں کے

فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کے اُن ہی مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتی ہیں

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ

تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ اُنکے اصل مطلب کی ٹوہ لگائیں حالانکہ اللہ کو سوا اُنکا اصلی

اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ

مطلب کسیکو معلوم نہیں اور جو لوگ علم میں بڑی پائگاہ رکھتی ہیں وہ تو اتنا ہی کہہ کر رہجاتی ہیں کہ اسپر ہمارا ایمان ہے

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج

یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے

جب اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ بعض آیتیں قرآن کی کُھلی کُھلی اور صاف صاف ہیں جو معاش اور معاد کی اصلاح کے لئے کافی ہیں اور بعض آیتیں وہ ہیں جس میں تشابہ اور ابہام ہے کہ سوائے خدا کے اُسکے معنی اور مطلب کو کوئی نہیں سمجھتا حتے کہ جو راسخین فی العلم تہی اُنہوں نے اس میں بہت کچھ خوض و فکر کی جب اُس کی تاویل سے عاجز ہوے تو مجبور ہوکر اَللّٰہُ پر وقف لازم کردیا اور یہ کہنے لگے کہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ بیشک خدا کا کلام ہے اور سوائے اس کے اور ہم کچھ نہیں جانتے جب ایسے ایسے فضل و کمال والے قرآن کے سمجھنے سے عاجز ہوکر اپنی لاعلمی کے معترف ہوں پھر جو لوگ کہ عامی یا کچھ لکھے پڑھے بھی ہیں وہ اردو فارسی ترجموں سے قرآن کے سمجھنے کا قصد کریں اُنکے لئے سوائے گمراہی کے اور کیا متصور ہے چنانچہ خود ہی قرآن اس امر کا مخبر صادق ہے کہ بہتوں کو اس سے ہدایت ہوتی ہے اور بہتیرے ان تاویلات میں پڑکر طرح طرح کے شبہات میں پڑجاتے ہیں اور آخر کو گمراہ ہوکر یہ کہنے لگتے ہیں کہ قرآن کی یہ باتیں غلط اور خلاف عقل ہیں سُبْحَانَ اللہ اپنی بونڈی عقل پر جو اوہام کی زنجیروں میں چاروں طرف سے جکڑی ہو اور جو آلات اُن اوہام سے نکالنے کے ہیں وہ اُسکو میسر نہ آئیں وہ یہ کہے کہ قرآن کی تعلیم یا اس کی باتیں

خلاف عقل ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا کے کلام کے مقابل میں خود عقل ہی کیا چیز ہی جسپر آدمی اچھل کود رہا ہے اور اپنی انانیت کا

دم بھر رہا ہے

یہ مانا کہ عقل خداداد ایک جوہر لطیف ہے جو تمام عالم پر نظر کرکے اول اسنے واجب اور ممکن میں تمیز کی پہر ذات اور صفات سے گذر کر مرتبۂ امکان میں جواہر اور اعراض میں فرق نکالا پہر مجردات او مادیات کو الگ کرکے عالم ارواح۔ عالم عقول۔ عالم مثال۔ عالم اجرام۔ عالم اجسام اور عالم اجسام میں سے عالم عناصر۔ عالم جمادات۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات۔ پہر عالم حیوانات میں سے ایک نوع خاص انسانی کو اپنا پائیتخت اور دارالحکومت قرار دیکر تمام نوع عالم پر اسکو شرافت بخشی اور تمام عالم کو اپنا ملک محروسہ قرار دیکر اس میں ہر طرح کے تصرفات شروع کیے۔

اول ملاحظہ اُس کا ذات اور صفات پر ہوا جب ذات سی خطاب ہوا

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

کیا میں تمہارا رب نہیں

اُس کے جواب میں کہا

بَلٰی

بیشک تو ہمارا رب ہے

۵

چو شد حجت بر خدائی درست
خرد داد بر تو گواہی نخست

پھر جب **مجردات** اور **مادیات** پر نظر ڈالی تو ان دونوں کو اپنی ہستی
اور وجود میں **مبدء فیاض** کا محتاج پایا مگر ان دونوں میں یہ فرق
کہ **مجردات** کو لطف اور آمیزش غیر سے منزہ پایا اور جب **مادہ** پر نظر ڈالی
تو تمام آلائشوں میں اُسکو ٹھہرا ہوا پایا اور کثیف بلکہ اکثف اور محتاج در محتاج
دیکھا کیونکہ مادہ اپنی ہستی اور وجود میں **اول** تو مبدء فیاض کا محتاج پھر **دوسری**
بار اپنے تحقق اور تشخص میں صورت جسمیہ کا محتاج۔ پھر **تیسری** صورت نوعیہ
کا محتاج۔ **چوتھی** صورت نوعیہ ناریہ کا محتاج **پانچویں** صورت نوعیہ ہوائیہ
کا محتاج۔ **چھٹی** صورت نوعیہ مائیہ کا محتاج۔ **ساتویں** صورت نوعیہ ارضیہ
کا محتاج۔ **آٹھویں** صورت نوعیہ انسانیہ کا محتاج۔ **نویں** صورت شخصیہ کا محتاج
جب اس **مادہ** کو اسقدر محتاج اور کثیف اور ارذل پایا تو ہر طرح کے تصرف
کرنا اسی پر جائز سمجھے **اور یہی وجہ ہے** کہ عالم عقول۔ عالم ملائکہ۔ عالم
ارواح۔ عالم مثال میں سوائے علمی تصرفات کے اور کسی قسم کی اسکو دست
اندازی نہیں ہے بخلاف **مادیات** کے کہ جتنے اسکے تصرفات **علمی** اور
عملی اور **فعلی** ہیں سب انہیں **مادیات** پر کرتی رہتی ہے اور سوائے

قبول اور انفعال کے اس بیچارہ **مادہ** کو مجال دم زدن نہیں **اول** ہی اول اُسنے اس **عالم مادیات** میں اپنے مقاصد اور اغراض کے لحاظ سے اُسکے مبادی اور مُعِدّات پیدا کئے پھر اُس سے اُنکے اصولونکو اخذ اور استنباط کرکے اُسکو موضوع فن قرار دیا پھر اُنکے عوارض ذاتیہ سے بحث کرکے طرح طرح کے ہزاروں علوم اور فنون اور قسم قسم کی کلیں اور ہر ہر حرفہ کے آلات ایجاد کئے اور اُن کو نظام عالم کے لئے ایک دستور العمل بنا دیا کہ تمام عالم کا کاروبار خواہ وہ معاش کے متعلق ہو خواہ وہ معاد سے تعلق رکھتا ہو سب ایک نظام کے ساتھ ہو رہا ہے اور جب کسی امر میں کمی بیشی یا کسی میں کچھ ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے تو فوراً وہیں اُسکی اصلاح کردیتی ہے اس اصول اور بنا پر اب پورا پورا عقل کا یہ تصرف ہے کہ کہیں تو اس بیچارہ **مادہ** پر ہل چلایا جاتا ہے کہیں پہاڑوں سے کہدا جاتا ہے کہیں ہوا میں اُڑایا جاتا ہے کہیں خاک میں ملایا جاتا ہے۔ کہیں چکی کے تلے پس رہا ہے۔ کہیں ریل کے نیچے گھس رہا ہے ہرچند ریل بنکر چیختا چلاتا ہے کہ مجھکو گھسیٹے لئے جاتے ہیں مگر اس بیچارہ کے چیخنے چلانے کو کوئی نہیں سنتا **مجردات** میں **مادیات** کو گذر نہیں کہ وہاں فریادی ہو **مادیوں** کے نزدیک **خدا** کوئی چیز نہیں جس سے وہ اپنی دادرسی چاہے مجبور اس عقل سے طرح طرح کے ظلم اٹھاتا ہے بیچارہ

دم نہیں مارتا قہر درویش برجان درویش

کہیں آگ میں جھونکا جاتا ہے کہیں پانی میں بہایا جاتا ہے

باوجود اس حکومت اور تصرف تام کے کہ اس تمام عالم کا نظام اسی ایک عقل کے تصرف سے ہو رہا ہے پھر بھی یہ عقل کیا ہے ایک ناچیز بے سرمایہ محض محتاج الی الغیر ہے دوسروں کی کمک پر یہ ساری اس کی اچھل کود ہے اپنے گھر کا کچھ نہیں اور دوں کی داد و دہش پر یہ ساری طلسم بندی ہے اسلئے کہ جتنے اسکے تصرفات ہیں وہ سب نذر کردہ اور رسد رسانیدہ حواس ہیں اگر یہ حواس نہوتے تو یہ کوئی کام نہوستے بلکہ یہ خود ہی کسی کام کی نہوتی کیونکہ **مبصرات** میں اُس کا تصرف جب ہوتا ہے کہ **قوت باصرہ** اپنے محسوسات اسکے سامنے پیش کرتی ہے اگر قوت باصرہ کا فقدان ہوجاے یا وہ قوت اس کی مدد نہ کرے تو جتنے مبصرات ہیں اُن سب میں یہ اندھی ہے اُس میں یہ کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ **قوت سامعہ** اگر اسکو خبر نہ سنائے تو **مسموعات** سے یہ بے بہرہ ہے ان میں اس کی کچھ شنوائی نہو۔ اگر **ذائقہ** اسکو کچھ مزہ نہ چکھاے تو **مذوقات** سے یہ کچھ مزہ نہ اُٹھائے اگر **لامسہ** اسکو ہاتھ ندے تو **ملموسات** سے اسکو کچھ مس نہو **قوت مشترکہ** اگر اس کی آئینہ داری نہ کرے تو کوئی صورت اس سے بن آئے اگر **قوت واہمہ** معانی جزئیہ کو اُن کے موضوعات سے چن چن کر اِسکے سامنے نہ لائے تو **موہومات** پر اسکا حکم کرنا وہم و خیال ہوجاے **حافظہ** اگر اپنا خزانہ بند کرلے پھر تو یہ خالی ہاتھ ملتی رہے۔ **پھر اس محتاجی پر** یہ تماشا کہ ان **حواس** کے محسوسات کبھی تو نفس الامری ہوتے ہیں اور کبھی

واقعہ کے خلاف پس وہ چیزیں جو حواس کے ذریعہ سے عقل کو پہونچتی ہیں اگر ان
کے احساس میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تو ان پر عقل کے جتنے تصرفات ہونگے وہ سب
صحیح اور واقعہ کے مطابق ہونگے اور اگر انکے احساس میں کوئی غلطی ہو گئی تو
اُن میں عقل کے جتنے تصرفات ہونگے وہ سب گمراہی کا راستہ بتلائینگے چنانچہ
یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عقلا اس عالم حسی کی تحقیق میں جو ہر وقت ہمارے
پیش نظر رہتا ہے کوئی اسکو حادث کہتا ہے کوئی اسکو قدیم مان رہا ہے کسیکو
اسکے خیال نے مادیہ کر رکھا ہے کسیکو دہریہ بنا رکھا ہے کوئی اسکے ظلال کا قائل
ہو گیا کوئی عکوس کی طرف مائل ہو گیا کوئی صاحب شہود ہو گئے کوئی ارباب
وجود بنگئے غرضکہ ہر شخص اس عقل کے پیچھے دیوانے جدہر وہ لیجاتی ہے اُسی
طرف چلے جاتے ہیں اصل حال کی کسیکو خبر نہیں کہ کیا ہے

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہ آسمان جو دن رات ہمارے سروں پر گھوم رہا ہے کہیں تو اس کو کرہ
مجسم بتلاتی ہے کہیں لاشئے کے تحت میں لاکر بے اصل ٹہراتی ہے
یہ زمین جسپر رہتے سہتے ساری عمر گذر گئی کبھی تو اسکو ساکن کہتی ہے اور کبھی
متحرک ٹہراتی ہے۔

ان سب کو جانے دیجئے اسکو اپنے گھر کی تو خبر ہی نہیں یہ انسان
جو ہمیشہ سے اسکا اقرار ہے اسکو حیوان ناطق تو کہتی ہے مگر اب تک

اسکو یہی تمیز نہیں ہوئی کہ اسکا یہ کہنا ازقبیلہ **ذاتیات** ہے یا از مقولہ **عرضیات**
ہے جب اسکو اپنے گھر کی ہی خبر نہو تو کوئی شخص اس عقل کے گھمنڈ پر کلام الٰہی سمجھنا
چاہئے اور جب وہ سمجھ میں نہ آئے تو یہ کہنے لگے کہ قرآن کی یہ باتیں خلاف
عقل ہے بھلا اس سے بڑھکر اور کون ایسا (   ) ہوگا

میاں سنو اگر یہ عقل حق شناس ہوتی تو یہ بڑے بڑے عقلا جنکے
پیچھے ساری خدائی گمراہ ہورہی ہے اس زمین اور آسمان اور اس عالم حسی کو
سب کے سب متفق ہوکر جو حق بات ہوتی اُسکو نکال لیتے اور اختلاف کرکے
ادہر اُدہر بھٹکتے نہ پھرتے

سواے نفوس قدسیہ اور ارباب تزکیہ کے جب اوروں کی عقل ایسی کجرو
اور ایسی نا راست روتی جب ہی تو **اللہ جلشانہ** نے اپنی مرضیات کی بجاآوری
کو عقل پر مفوض نہیں رکھا بلکہ بمقتضائے

وَلَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا

اور بھیجا ہے گانوں گانوں اپنا رسول اور ڈر سنانیوالا

کے گانوں گانوں قریہ قریہ ہر قوم اور ہر جماعت میں اپنا راستہ بتلانے کے لئے
اور اپنی مرضی کے موافق کام کرانے کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے نبی اور رسول
بھیجتا رہا کہ اُنکے طریقہ تعلیم پر جو حکم الٰہی ہو اُسکے مطابق عمل کرتے رہیں اور
کوئی اپنی عقل اور اٹکل سے خدا شناسی اور خدا رسی کا راستہ نہ ڈھونڈے پس

جو لوگ اپنے انبیاؤں کے کہنے پر چلے وہ تو راہ بہشت پر ہو کر منزل مقصود کو پہونچے اور جو عقل کے بہکلانے پر گمراہ میں پڑگیا اُسکا راستہ جہنم ہے سیدھا چلا جاے کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں

اسی بنا پر جو لوگ اپنے وقت کے نبی کے سوا دوسرے نبی کی شریعت پر چلتے ہیں یہ جائز نہیں

یا کسی مقبول خدا رسیدہ اور رشیوں کے ملہمات یا کسی کے عملیات اور ملفوظات کو دین بناتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔

جنہوں نے فلاسفروں اور نجومیوں اور رمالوں اور کاہنوں کی تحقیق اور اُنکے اصول اور موضوعات کو الہام سمجھکر اُسکو اپنا دین اور مذہب بنا رکھا ہے یہ بالکل غلط

کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمام عالم کی حالت تفصیلی یا اُسکے کسی نوع یا کسی فرد کی حالت موجودہ پر نظر کرنے سے جو ایک حالت اجمالی حس مشترک کے سامنے ہوتی ہے تو قوۃ آخذہ کہ عبارت عقل متصرف سے ہے اُسکے جزئیات اجمالی کو تفصیل میں لاکر طرح طرح کے اُنپر حکم کرتی ہے پس یہ الہام نہیں ہے بلکہ وہ موضوع فن ہے جس سے تمام جزئیات کے احکام کا ایک نہ ایک نتیجہ حاصل ہوتا رہتا ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باغواے اجنۂ وشیاطین قلب میں طرح طرح کے

خطرات پیدا ہوتے ہیں اُسکو الہام خیال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ الہام نہیں بلکہ وہ

وسوسہ ہے

اور کبھی قوت متصرفہ کا عمل جو بوساطت وہم ہوتا ہے وہ صورت الہام کی بنجاتی ہے یہ بھی الہام نہیں بلکہ از قبیلہ **توہمات** ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبدر فیاض سے ایک فیضان عام ہوتا ہے جسکا اثر ہر خاص وعام کے دلوں پر پڑتا ہے حکمای ظاہری اور باطنی اُس سے ایک نتیجہ خاص نکال لیتے ہیں جو دین یا دنیا کی اصلاح کے لئے وہ مفید خیال کیا جاتا ہے یہ بھی الہام امتثالی نہیں جس کی تعمیل ضروری ہوتی ہے بلکہ اسکو **حکمت عملیہ** یا **نظریہ** کہتے ہیں

اور کبھی مشاہدات اور مجربات سے جو عقلا یا اہل اللہ نے کوئی طریقہ خداشناسی یا خدارسی۔ یا امور دینی یا دنیاوی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے اصول اور قواعد ضبط کر دئے ہیں تو یہ بھی الہام نہیں بلکہ اسکو **قانون حکمت** اور معرفت اور **مجربات** کہنا چاہیئے

ہاں جو امور اور احکام کہ بذریعہ **وحی** یا **القائی** خدا کی طرف سے کسی نبیؐ کے پاس آئیں وہ البتہ **وحی** اور **الہام امتثالی** ہے جسکی بجاآوری ہر فرد بشر کو بطور وجوب یا استحباب کے ضروری ہوتی ہے۔ اور انہیں کے اصول اور فروع کے مجموعہ کو **دین** اور **اسلام** کہتے ہیں

اور یہی دین اسلام اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے جیساکہ اللہ پاک اپنے کلام پاک میں خود ہی اس کی خبر دیتا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بیشک اللہ کے نزدیک جو دین مقبول ہے وہ اسلام ہے

پس موافق اس آیت شریف کے سوائے اس دین اسلام کے اور جتنے ادیان ہیں وہ سب کے سب متروک اور منسوخ اور نامقبول ہیں کوئی قابل عمل نہیں۔

الغرض اس عقل کے تمام تصرفات کا دار مدار جب ان مدرکات کے ادراک صحیحہ اور غیر صحیحہ پر ہوا اور یہی محسوسات اسکا ملک محروسہ قرار پایا تو وہ امور جو دائرہ حس سے خارج اور از قبیل مجردات ہیں وہانتک تو اس عقل کو رسائی نہیں پھر وہ ذات اور صفات الٰہیہ کو جو اُن مجردات سے ورا ءالورا ہے کس طرح معلوم کر سکتی ہے

میاں یہ قرآن وہ کلام ربانی اور صفت رحمانی ہے کہ موافق اس حدیث کے

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ لِکُلِّ اٰیَۃٍ مِنْھَا ظَھْرٌ وَّبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ

رواہ فی شرح السنہ

اسکے چند بطون اور اُسکا ایک ظاہر ہے اُسکے بطون کو پہونچنا وہ تو علی قدر مراتب اہل باطن کا کام ہے اُسکا جو ظاہر ہے اُسکے سمجھنے سمجھانے میں بھی وہ وہ دقتیں پیش آتی ہیں کہ جو بڑے بڑے علماء گذرے وہ بھی ان دقتوں کی وجہ سے جو راسخین فی العلم ہیں اُن کی تحقیق سکتے تابع ہو کر جیسا وہ تحقیق کر گئے اُسکے موافق عمل کرتے چلے آتے ہیں

اس قرآن کے ظاہری لفظوں اور اُسکے معنی کی تحقیق میں جس جس قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں ہم آپ کو بطور نمونہ کے دکھلاتے ہیں اُسپر قیاس کر لیجیگا کہ یہ تحقیق کرنا اور اس قرآن کا سمجھنا سمجھانا کن لوگوں کا کام ہے اور ہم بھی اس تحقیق کے قابل ہیں یا نہیں حضرت ایک ایک آیت کی تحقیق میں بیسیوں علوم اور فنون کی ضرورت پڑتی ہے اور اُسکے ایک ایک لفظ اور اُن کی باہمی ترکیب میں سیکڑوں احتمال نکالنے پڑتے ہیں پھر اُن سب میں سے بدلائل ہر ایک کی تردید کر کے بقرائن شتی معنی مقصود کی تعیین کیجاتی ہے پھر اُس سے اصل مقصود پر استدلال کیا جاتا ہے اور وہ بھی مُحَوَّل الی اللہ ہوتا ہے کوئی یقیناً یہ نہیں کہہ سکتا کہ ماہو المدلول مطابق مقصود کے ہے یا اُسکی خلاف

اول اُس آیت کے ہر ہر لفظ میں یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ یہ لفظ حقیقت ہے یا مجاز ہے اگر حقیقت ہے تو وہ حقیقت لغوی ہے یا شرعی ہے یا حقیقت عرفی ہے

یا حقیقت اصطلاحی ہے۔ اگر مجاز ہے تو وہ مجاز لغوی ہے یا مجاز شرعی ہے:
مجاز عرفی ہے یا مجاز اصطلاحی ہے اگر مجاز ہے تو وہ مجاز مرسل ہے یا استعارہ ہے
اُنکے اقسام میں سے یہ کونسی قسم ہے اور استعارہ اور تشبیہ ہونے پر اس میں وجہ
جامع کیا ہے اور وہ مفرد ہے یا مرکب ہے اور علاوہ اسکے وہ علت تامہ ہے
یا علت ناقصہ ہے

پھر یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ وہ لفظ خاص ہے یا عام ہے اگر عام ہے تو وہ عام مطلق
ہے یا عام مخصوص البعض ہے مُؤَوّل ہے یا مشترک ہے صریح ہے یا کنایہ ہے ظاہر
ہے یا نص ہے مفسر ہے یا محکم ہے خفی ہے یا مشکل ہے مجمل ہے یا متشابہ مطلق
ہے یا مقید ہے جزئی ہے یا کلی ہے حقیقت متعذرہ ہے یا حقیقت مہجورہ یا حقیقت
مستعملہ پھر وہ حقیقت متروکہ بسیاق الکلام ہے یا حقیقت متروکہ منجانب صاحب کلام
ہے یا حقیقت متروکہ بدلالۃ العرف ہے یا حقیقت متروکہ بدلالۃ فی نفس الکلام ہے
یا حقیقت متروکہ بدلالۃ محل الکلام ہے پھر اول سے آخر تک ان سب کی اقسام
اور جداگانہ ہر ایک کے احکام معلوم کرکے پھر معنی مقصود کی تعیین اور تخصیص
کے لیئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بدلالۃ النص ہے یا باشارۃ النص ہے یا باقتضاء النص
ہے یا بعبارۃ النص ہے غرضکہ اسیطرح اُس ایک آیت کے ہر لفظ کے
معنی کی تعیین اور تخصیص کے لئے سیکڑوں باتوں پر نظر ڈالنی پڑتی ہے جب اُس
آیت کے ایک ایک لفظ کا اس طرح ملاحظہ کرکے اُنکے معنی کی تعیین اور تخصیص

کرلی گئی پھر انکی باہمی ترکیب اور ارتباط کو دیکھا جاتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کیا تعلق اور کیا لگاؤ ہے اور وہ ترکیب ناقص ہے یا ترکیب تام ہے اگر ترکیب **ناقص** ہے تو وہ ترکیب بنائی ہے یا ترکیب امتزاجی ہے یا ترکیب توصیفی ہے یا ترکیب اضافی ہے یا ترکیب عطفی ہے یا ترکیب حالی ہے یا ترکیب بدلی ہے یا ترکیب استثنائی ہے یا ترکیب تاکیدی ہے یا ترکیب موصولی ہے یا ترکیب بیانی ہے یا ترکیب مجروری ہے جار مجرور کی صورت میں اُسکو تعلق مسند سے ہے یا مسند الیہ سے ہے اور اگر وہ **ترکیب تام** ہے تو وہ ترکیب **خبری** ہے یا ترکیب **انشائی** اگر خبری ہے تو وہ **اسمی** ہے یا **فعلی**۔ اگر اسمی ہے تو اُس میں مبتدا کون ہے اور اُس کی خبر کیا ہے۔ اگر فعلی ہے تو اُس میں **فعل** کیا ہے اور اُسکا **فاعل** کون ہے اور سوائے فعل اور فاعل کے اگر اُس میں اور بھی اجزا ہیں تو وہ مفعول بہ ہے یا مفعول لہ ہے یا مفعول فی الزماں ہے یا مفعول فی المکاں ہے یا مفعول مطلق پھر یہ اطلاق وضعی ہے یا تاکیدی ہے یا عددی ہے عین ذات ہے یا اُس کی کوئی صفت مذکور ہے پھر ان میں سے کون بارز ہے کون مستتر ہے کون مظہر ہے کیا کیا محذوف ہے کیا کیا مقدر ہے مسند اور مسند الیہ میں جو اسناد ہے وہ اسناد حقیقی ہے یا مجازی ہے اور صارف عن الحقیقت کیا ہے اور کیوں ہے اور وہ جملہ مستقلہ ہے یا از قبیل توابع جملہ عاطفہ۔ جملہ مستانفہ۔ جملہ معترضہ۔ جملہ حالیہ۔ جملہ استثنائیہ۔ جملہ موصوفہ۔ جملہ موصولہ ہے اور وہ شرطیہ ہے یا حملیہ۔ بشرط شرطیہ

اتصالیہ ہے یا انفصالیہ اتصالی میں لزومیہ ہے یا اتفاقیہ انفصالی میں حقیقیہ ہے یا مانعۃ الخلو یا مانعۃ الجمع ہے اور اس اتصال اور انفصال کی علت کیا ہے اور اسکے لانے سے مقصود کیا ہے اور اگر وہ جملہ حملیہ ہے تو اُس میں موضوع کون ہے اور محمول کون اور وہ حمل اولی ہے یا حمل بالمواطات ہے یا حمل بالاشتقاق اور علت حمل کی کیا ہے اور وہ خبر زمانہ ماضی سے تعلق رکھتی ہے یا زمانہ حال سے یا مستقبل کی خبر دینے والی ہے پھر وہ خبر مبشّر ہے یا منذر ہے بغرض تشویق اور ترغیب ہی یا بغرض ترہیب اور تادیب ہے یا اُس سے کچھ اور مقصود ہے اگر وہ خبر کسی حکایت اور قصہ پر مبنی ہے تو اُسوقت کے مناسب محکی عنہ کو مخاطبین سے کیا علاقہ ہے اور اُنکے ساتھ اس حکایت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اور اُس سے اُنکو کیا افادہ مقصود ہے

اور اگر وہ نسبت انشائی ہے تو اقسام انشا میں سے وہ امر ہے۔ یا نہی ہے یا تعجب ہے یا ندا ہے۔ یا استفہام ہے۔ یا قسم ہے۔ یا دعا ہے۔ یا تمنی ہے۔ یا ترجی ہے۔ یا تحضیض ہے

اگر وہ امر ہے تو وہ امر بغرض ایجاب ہے۔ یا بغرض ندب ہے یا بغرض استحباب ہے یا بغرض توبیخ ہے یا بغرض تعجیز ہے یا بغرض تادیب ہے یا بغرض ارشاد ہے یا بغرض اباحت ہے یا بغرض امتنان ہے یا بغرض اکرام ہے یا بغرض تسخیر ہے یا بغرض اہانت ہے یا بغرض تسویہ ہے یا بغرض تمنی ہے یا بغرض احتقا

ہے یا بغرض تکوین ہے یا بغرض انذار ہے یا بغرض افحام ہے یا بغرض تعجب ہے
پھر بعد تعیین کے اُس حکم کی علت کیا ہے اُسکے اسباب کیا ہیں اُس کی شرطیں
کیا کیا ہیں اور اُسکے موانع کیا کیا۔ اور وہ حکم ناسخ ہے یا منسوخ ہے یا معرا
عن الطرفین ہے اور وہ حکم متعدی ہے یا غیر متعدی۔ عزیمت ہے یا رخصت ہے
بیان تقریر ہے۔ یا بیان تفسیر ہے۔ یا بیان تغییر ہے یا بیان ضرورت ہے۔
یا بیان حال ہے۔ یا بیان عطف ہے۔ یا بیان تبدیل ہے۔ مورد حکم خاص ہے
یا عام ہے اور وہ حکم مقصور ہے یا اُس میں تعمیم ہے اور وہ معلل ہے یا غیر معلل
علت حکم کی مذکور ہے یا مہجور اور وہ مشترکہ ہے یا غیر مشترکہ پھر مامور بہ اسکا موقت
ہے یا غیر موقت اگر موقت ہے تو وہ وقت اسکے لئے معیار ہے یا محض ظرف
ہے اور وہ حکم از قبیلہ اعتقادیات ہے یا منجملہ عبادات یا اُسکو معاملات سے تعلق
ہے پھر ان سب کے انواع اور اقسام اور احکام پر نظر کر کے یہ دیکھا جاتا ہے
کہ اس سے اصلاح جسم کی مقصود ہے۔ یا اصلاح نفس کی یا اصلاح روح کی
یا اصلاح خانہ داری کی یا اصلاح قوم کی یا اصلاح ملک کی یا اصلاح معاشرت
کی ہے یا اصلاح آخرت کی مدنظر ہے غرض کہ اس قسم کی اور سیکڑوں باتیں محقق
کو تحقیق کے وقت پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں اور باوجود اسقدر چھان بین کے اگر
خدانخواستہ قرائن مشترکہ پیدا ہو گئے اور اُنہوں نے اصل مقصود سے اُس
کے ذہن کو دوسری طرف منتقل کر دیا تو وہ ساری تحقیق خاک میں ملگئی مطلب

کچھہ تہا اور وہ کچھہ اور سمجھہ گیا اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ جب تعدیہ حکم بوجہ علل مشترکہ
کے ہوتا ہے تو وہاں اکثر جزئیات میں علماء دین کا باہمی اختلاف ہوجایا کرتا ہے
اور باوجود اس اختلاف کے ہر شخص اپنی اپنی تحقیق کے اعتماد پر اُس کی حقیت کا
دم بہرتا رہتا ہے اور جو اُسکے توابع ہیں اُس کی تحقیق کے موافق عمل کرتے
رہتے ہیں اور جو اصل مقصود ہے اُس کی خبر خدا ہی کو معلوم ہوتی ہے مگر سب کی
سب مجتہد اور اُسکے توابع بوجہ نیک نیتی اور اعتماد حقیت کے ثواب سے محروم
نہیں رہتے اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ۔

اللہ تعالیٰ نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا

قرآن کی ایک آیت اور ایک جملہ کی تحقیق میں جو یہ تھوڑا سا بطور اجمال کے
بیان ہوا یہ تو وہی معمولی باتیں ہیں جن سے قرآن کے لفظوں سے اُسکے ظاہری
معنی سمجھکر اُسکے امر اور نہی کی تعمیل کیجاتی ہے اور جو محققین علماء اور عرفا ہیں
اُنکے اسرار اور نکات کے اخذ کرنے کے جو جو اصول اور قواعد ہیں اُن کو بیان
کیا جائے تو اُسکے سمجھنے کا کوئی عامی اہل نہیں نہ اہل نظر اُسکو بیان کرسکتے ہیں

ع

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

جب قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ کی تحقیق میں اسقدر دقتیں پیش
آتی ہیں جو تہوڑی سی اسوقت بطور نمونہ کے بیان ہوئیں اسیوجہ سے کروڑ ہا اہل
فضل اور کمال والے سلف سے ابتک محققین کی تحقیق پر اعتماد کرکے جیسی وہ
تحقیق کر گئے اُسکے موافق عمل کرتے چلے آتے ہیں اگر قرآن کے سمجھنے
اور سمجہانے میں اسقدر جانکاہی اور دردسری نہوتی اور باآسانی ہر شخص اُسکا
مطلب سمجھہ لیتا تو اونکو جانے دیجئے جو بڑے بڑے علمار گذرے وہ محققین کی
تحقیق کی پابندی نہ کرتے بلکہ بلا اعانت غیرے خود ہی اپنے تبحر علمی سے اُسکا
مطلب نکال کر جو اس میں امر اور نہی ہے اُس کی تعمیل کرتے رہتے
جب مسلمانونکے علمار کی یہ شان کہ سوائے تحقیق کردہ محققین کے اپنی طرف
سے قرآن کے سمجھنے اور سمجہانے میں کچھ جرأت نہیں کرسکتے پھر کوئی عامی مسلمان
یا کسی غیر مذہب کا آدمی جس میں اس تحقیق کا مادہ نہو بلکہ کسی مذہب میں یہ تحقیق آئی
بھی نہو وہ قرآن کے اردو فارسی ترجموں سے قرآن کے سمجھنے کا ارادہ کرے
اور وہ گمراہ نہوجائے بھلا یہ ممکن ہے ہرگز نہیں اگر کسیکو اس میں کچھ شک
ہو تو اُس کی نظیر

عبد الغفور

نے والے کو دیکھہ لے کہ کیسی اونچی جگہ توحید کی چوٹی پر اللہ جلشانہ
غائیت کا دم بہرتا تہا اور اب پہسل کر کہاں مزبلہ میں جا پڑا

مزبلہ میں جا پڑنا اس مناسبت سے ہے کہ ہمنے سنا ہے کہ ہندوؤں میں جب کسی غیر قوم کو اپنے دین میں لاتے ہیں تو پہلے اُسکو گؤ ماتا کا گوموت پلاتے ہیں شاید کہ اُنکے مذہب میں گوموت کا پلانا دین کے بیج بونے کے لئے بمنزلہ کھات کے ہوگا تاکہ وہ دین خوب پہولے پہلے

الغرض ہمنے جو یہ تقریر لکھکر کلام الٰہی کے سمجھنے سمجھانے کا ایک نمونہ دکھلایا ہی تو اُس سے ہماری یہ غرض ہے کہ صاحب تارک الاسلام اور جو جو اُنکے تابع ہو کر شک میں پڑ گئے ہیں اُنکو چاہیئے کہ بعد تحقیق مبادی ہر ہر مقام کے شان نزول اور اُسکے مقتضائے حال کو مقیاس بنا کر اُس مقام کے مناسب ماقبل اور مابعد پر نظر ڈالکر یا ہو المذکور سے اول تو وہ ہر ہر لفظ کے معنی کی تعیین کریں پہر اُس سے اصل مقصود پر استدلال کر کے عقل سلیم سے فتوی لیں اور جو عقل سلیم اُسپر حکم لگائے اُسوقت اُسکو خوب سوچ سمجھکر حق اور باطل میں تمیز کریں - اور میں امید کرتا ہوں کہ اس طریقہ حق نما سے جتنے اُنکے شبہات ہیں وہ سب کے سب اُنکے دلوں سے دور ہو جائینگے اور اگر اُن میں کچھ انصاف ہوگا اور وہ ازلی ایمان بہی رکہتے ہونگے تو انشاء اللہ تعالیٰ اُن کو کسی چیز کی پروا نہو گی بے کھٹکے اپنا گہر سمجھکر سیدہے سیدہے چلے آئینگے

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ

تمام شد

غلط نامہ کتاب تائید الاسلام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۱	رہے	رہی
۳	۱۲	بہمارے	ہمارے
۹	۱	علم اصول	اور علم اصول
″	۱۵	باپ دادے نے	باپ دادے
۲۳	۵	سب کی	سب کی سب
۲۳	۶	ملکی - الی	ملکی اور مالی
″	۱۴	کہے	کہنے
۳۳	۱۶	استمرار	استمرار کے
۳۴	۵	پا یا	پایا
۳۷	۶	بَمَا	بِمَا
۳۷	۱۱	استدال	استدلال
۳۸	۱	اُمنًا	آمنًا
″	″	بَمَا	بِمَا
۴۰	۲	خداسے	خدا
″	۱۲	مکرُوا	مَکَرُوا
″	۱۳	الماکِرین	الماکرِین
۴۱	۴	عوامض	غوامض
″	۱۷	بس	پس
۴۲	۳	اخفار	خفار
″	۷	اَیْنَما	اَیْنَمَا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۱۵	وخوبی	وجوبی
۴۳	۱۷	بنائے	بنائیے
″	″	جھکائے	جھکائیے
۴۴	۵	نطفی	نطقی
۴۶	۱۴	اِبْتَغاءَ	ابتغار
″	″	اَلِفْتنَةِ	الفتنة
″	″	داتناء	وابتغاءَ
۴۷	۱	رَبَنَا	رَبَّنَا
۵۱	۱۴	آئے	نہ آیئے
۵۳	۱۲	نَبَعْثَنَا	بَعَثْنَا
″	″	قَرْيَةٍ	قَرْيَةٍ
″	″	نَذِيرًا	نَذِيرًا
″	۱۳	سے	ہمنے
۵۵	۱۶	الستجاب	استجاب
۵۶	۱۱	سے	ہے
″	۱۶	نَبَعَہُ	[illegible]
۵۸	۱۰	یساق	